فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۱۰۷

از جنوری سنہ ۱۹۷۱ء تا جون سنہ ۱۹۷۱ء

(بہ ترتیب حروفِ تہجی)

فہرست مضامین معارف

جلد ۱۰۷

از جنوری ۱۹۷۱ء تا جون ۱۹۷۱ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۱۰۷۔ ماہ ذیقعدہ ۱۳۹۰ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۷۱ء۔ عدد ۱

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد

ادبیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا، اس لیے اس سے توقع تھی کہ وہ صحیح اسلامی حکومت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریگا، لیکن وہ بڑی تیزی سے مغربی قوموں کے نقش قدم پر جا رہا ہے، اس کا زیادہ شکوہ اسلیے نہیں ہو کہ پوری دنیائے اسلام کا یہی حال ہے، افسوس اس کا ہو کہ پاکستان کی بقا و استحکام کے لیے جن مادی اصولوں پر عمل کی ضرورت ہے، ان پر بھی اس کا عمل نہیں ہے، اسلامی اخوت نہ سہی کم سے کم قومی و وطنی وحدت ہی کا احساس ہوتا، اس کے بجائے زبانوں پر جاہلی عصبیت کے تفرقہ انگیز نعرے ہیں، اگر یہ صورت قائم رہی تو نہ صرف مشرقی پاکستان الگ ہو جائے گا بلکہ مغربی پاکستان کی وحدت بھی قائم نہ رہیگی، اسکی ساری شوکت و عظمت اور بین الاقوامی وقار متحدہ پاکستان سے وابستہ ہے، الگ الگ ٹکڑوں میں بٹنے سے اس کے وقار کو بڑا نقصان پہنچے گا، یہ صحیح ہے کہ آجکل چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی ایک مرتبہ بنجانے کے بعد نہیں ٹوٹتیں، بڑی طاقتیں اپنے جال میں پھانسنے کے لیے ان کی مدد پر تیار ہو جاتی ہیں، مگر اس سے ان حکومتوں کی حقیقی آزادی ختم ہو جاتی ہے، اور وہ ان طاقتوں کا محض ضمیمہ بنجاتی ہیں، بلکہ ان کے تصور حیات اور نظام زندگی کو بھی اپنانا پڑتا ہے، عرب ملکوں میں کمیونزم کے اثرات اس کا ثبوت ہیں، یہی حشر مشرقی پاکستان کا ہوگا اور وہ چین کی نوآبادی بنجائیگا، اس لیے اگر پاکستانیوں کو اپنا ملک اور اپنی تہذیب و روایات عزیز ہیں تو پاکستان کے دونوں حصوں میں مفاہمت ضروری ہے، پاکستان کے مغربی و مشرقی حصوں کا اختلاف بھی دراصل اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے، اسلام نے مسلمانوں کی وحدت کی بنیاد عقائد و تصورات کی وحدت اور اسلامی اخوت اور عدل و مساوات پر رکھی تھی، جس نے ساری عصبیتوں کو ختم کر دیا تھا، مگر مسلمانوں نے اس کو بھلا دیا، اس لیے ان عصبیتوں کو ابھرنے کا موقع

مل گیا، اب صرف قومی و وطنی وحدت کا تصور ہی اتحاد کا ذریعہ رہ گیا تھا، اگر وہ بھی ختم ہو گیا تو پھر کیا رہ جائیگا۔ اسکا حل بھی اسلام ہی میں ہے، اگر آج بھی اسلامی عدل و مساوات کے اصولوں پر دستور بنایا جائے جس میں سب کے حقوق یکساں ہوں، کسی کو دوسرے پر تفوق و برتری حاصل نہ ہو تو وطنی و نسلی عصبیت گھٹ سکتی ہے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~

جب پاکستانیوں کا آپس میں یہ حال ہے کہ وہ ایک دوسرے کو انگیز نہیں کر سکتے تو مہاجرین کا شکوہ بے کار ہے، حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان ہندوستان کے مسلمانوں کی قربانیوں کی بدولت بنا ہے، ورنہ اس کا کہیں وجود نہ ہوتا، جس کا خمیازہ اب تک انکو بھگتنا پڑ رہا ہے، ان قربانیوں کے بعد بھی مہاجرین پورے پاکستان خصوصاً مشرقی بنگال میں اجنبی سمجھے جاتے ہیں، ان کے جو حالات سننے میں آتے ہیں ان کے لحاظ سے ہندوستان کے مسلمان ہر طرح کی مشکلات اور خطرات کے باوجود مہاجروں کے مقابلہ میں زیادہ امن و سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں، جو پاکستانیوں کے لیے انتہائی شرمناک ہے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~

پارلیمنٹ کا درمیانی الیکشن اس حیثیت سے بڑا اہم اور فیصلہ کن ہے کہ ملک کو جمہوریت اور سیکولرزم کے راستہ پر لے جانا ہے یا فرقہ واریت اور رجعت پسندی کی راہ پر، اس لیے اس الیکشن کے نتائج کا اثر مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ زیادہ اثر پڑے گا، اس لیے ان کو بڑے غور و فکر سے فیصلہ کرنا ہے، غلط فیصلہ سے ان کی مشکلات اتنی بڑھ جائیں گی جس کا اندازہ الیکشن کے بعد ہی ہوگا۔ ایک طرف حکمراں کانگریس اور ترقی پسند پارٹیاں ہیں، دوسری طرف تنظیم کانگریس اور متضاد نقطۂ نظر رکھنے والی پارٹیوں کا محاذ ہے، اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کو کانگریس کا بڑا تلخ تجربہ ہے، ان کی اکثریت نے ہمیشہ کانگریس کا ساتھ دیا، جس سے اس کو فائدہ پہنچا لیکن مسلمانوں کی ساری حق تلفیاں اور ان پر ساری زیادتیاں اسی کے دور میں ہوئیں، اور حکومت نے

زبانی طفل تسلیوں کے علاوہ اس کا کوئی تدارک نہیں کیا، اور مسلمانوں کے ایک طبقہ نے مایوس ہو کر اپنے مسائل کے حل کے لیے اپنی الگ تنظیم قائم کی، جو درحقیقت جمہوریت اور سیکولرزم کی ناکامی کا نتیجہ ہے، اگر ہندوستان میں صحیح معنوں میں جمہوریت اور سیکولرزم ہوتی اور اقلیتوں کے حقوق محفوظ ہوتے، تو ان کو اپنی تنظیم قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی،

~~~

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمان ملک کے ہر حصہ میں اقلیت میں ہیں، اس لیے ان کی کوئی تنظیم بھی اکثریت کی امداد و ہمدردی کے بغیر محض اپنے بل بوتے پر اپنے مسائل حل نہیں کر سکتی، اور نہ اس کا کوئی امیدوار الیکشن میں کامیاب ہو سکتا ہے، البتہ کانگریس کے امیدوار کو نقصان پہنچ جائے گا، اور اس کا فائدہ مسلمان دشمن پارٹیوں کو پہنچے گا، اس لیے اس الیکشن میں مسلمان تنظیموں کا اپنے امیدوار کھڑے کرنا بالکل بے نتیجہ ہے، بالفرض اگر ان کے کچھ امیدوار کامیاب بھی ہو گئے تو دو چار ممبر کیا کر سکتے ہیں، یہ تسلیم ہے کہ مسلمانوں کے معاملات میں عمل کے لحاظ سے کانگریس اور دوسری پارٹیوں میں زیادہ فرق نہیں ہے، لیکن اپنے اصولوں کے اعتبار سے کانگریس ایک جمہوری سیکولر اور ترقی پسند پارٹی ہے اور حکمراں کانگریس ایک حد تک فرقہ پرور کانگریسیوں سے پاک ہو چکی ہے، اگر مسلمانوں کو آئندہ کچھ امید ہو سکتی ہے تو اسی سے ہو سکتی ہے، اس لیے ان کو ایک تجربہ اور کرنا چاہیے اور پوری طرح حکمراں کانگریس کا ساتھ دینا چاہیے، اس کے سوا ان کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں ہے، اگر ان کے کچھ امیدوار کامیاب بھی ہو گئے تو آخر میں ان کو بھی حکمراں کانگریس کا ساتھ دینا پڑے گا۔

~~~

مقالات

بانی درس نظامی استاذ الہند ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی

از

الحاج مفتی محمد رضا صاحب انصاری فرنگی محلی استاذ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۷)

ابو المعالی خاں جو غیر ملک سے تازہ تازہ وارد ہندوستان ہوا تھا اور اپنی ولایت میں علماء کا کر و فر دیکھے تھا، استاذ الہند ملا نظام الدین فرنگی محلی کی فروتنی اور سادہ مزاجی دیکھ کر اگر ان کو شناخت نہ کر سکا تو حیرت کی کوئی بات نہیں، حیرت اس پر ہو سکتی ہے کہ نہ جانے کیوں وہ ملا صاحب کو مذہب امامیہ کا مجتہد یا عالم سمجھے بیٹھا تھا، اسی لیے اس نے چند مسائل مسلک امامیہ کے انداز میں یہ کہتے ہوئے دریافت کیے:۔

در مذہب حق چہ می نویسند مولانا جواب ہر یک موافق کتب امامیہ تفصیل ذیل بیان فرمودند، چنانکہ تسکین خاطر گشت

مذہب حقہ (امامیہ) میں ان کے بارے میں کیا لکھا ہے؟ ملا صاحب نے ہر سوال کا جواب کتب امامیہ کے مطابق اس تفصیل سے دیا کہ اس کی پوری طرح تشفی ہو گئی۔

ابو المعالی خاں نے اسی پر بس نہیں کی، بلکہ نادانستگی میں یہ بھی دریافت کر بیٹھا کہ:۔

دریں مقدمہ مذہب اہل ضلال چہ می نویسند

ان مسائل کے بارے میں اہل ضلال (گمراہ لوگ)

یکے آنکہ استعمال حقہ می سازد و دیگر
آنکہ بتدریس منطق مشغول می باشد
و اشارہ باہل سنت کرد مولانا مراد او
فہمید و آنچہ در کتب بود آنہم بیان
ساخت وے بغایت مشعوف آنحضرت
گردید و گفت چنانچہ در ولایت شنیدہ
بودم زیادہ تر یافتم و دیگر کلمات مشتملہ
بر خوشامد بر زبان آورد و مولانا را
ناگوار آمدہ از آنکہ از چنیں کلمات
راضی نمی شد فرمود ہیچ نیافتند
من ہم یکے از آں اہل ضلال ام

کا مذہب کیا ہے؟ اہل ضلال سے انکا
اشارہ اہل سنت کی طرف تھا، ملا صاحب
نے اس کا مطلب و مفہوم سمجھ لیا اور ان
مسائل کے بارے میں کتب اہل سنت
میں جو کچھ درج تھا، وہ بھی بیان فرمایا
وہ ملا صاحب کا انتہائی گرویدہ ہو کر
کہنے لگا "اپنے ملک میں جیسی آپ کی شہرت
سنی تھی، اس سے بھی زیادہ آپ کو پایا"
اسی طرح کے کچھ اور تحسین و تعریف کے
کلمے اس نے کہے، ملا صاحب کو ناگواری
ہوئی، اس لیے کہ وہ اپنی تعریف و توصیف
کے جملوں سے کبھی خوش نہیں ہوتے تھے
فرمایا "کچھ نہیں پایا اس لیے، میں بھی ان ہی
ضلال میں سے ایک ہوں"!

اس دانستہ غلطی کا ردعمل اس پر ہونا قدرتی تھا بیحد پشیمان ہوا لیکن

بایں بدل و جان راسوخے و نیازے
بداں جناب پیدا ساختہ

اس ناخوشگوار واقعہ کے باوجود وہ
دل و جان سے ملا صاحب کی خدمت
میں نیازمندی اور عقیدت رکھتا رہا

اس واقعہ سے جو ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے عمدة الوسائل میں لکھا ہے، دو خاص باتیں ظاہر

ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ استاذ الہند ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی کے علم کا دائرہ عام علماء کی طرح محدود نہ تھا، وہ جس مہارت سے فقہ حنفی کے مطابق استفسارات کا جواب دیتے اسی عبور کے ساتھ فقہ امامیہ کے مطابق بھی مسائل کی تشفی کر دیتے تھے، دوسرے یہ کہ ملا صاحب کا شہرہ ان کی زندگی میں ہندوستان کی حدود کو پار کر کے غیر ممالک تک پہنچ گیا تھا اور غیر ملکوں سے بھی لوگ اشتیاق ملاقات میں آیا کرتے تھے، ہندوستان اور قرب وجوار کے اہل علم و فضل تو حاضر خدمت ہوا ہی کرتے تھے، اہل علم کی ملاقاتیں علمی فوائد سے خالی نہیں ہوتیں، چنانچہ جوار کے ایک مشہور خانوادے کے ایک صاحبزادے ملاقات کو آئے تو ان سے ملا صاحب سے جو گفتگو ہوئی وہ خالص علمی تھی اور ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے ان ہی صاحبزادے کی زبان سے سنکر اس کو قلمبند کر لیا،

رائے بریلی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ علم اللہ تھے جن کی طرف دائرۂ شاہ علم اللہ منسوب ہے، انکے پوتے مولانا محمد واضح ملا نظام الدین کے ممتاز شاگرد ملا عبد اللہ امیٹھوی کے شاگرد تھے، یہی مولانا واضح ایک دفعہ ملا صاحب کی یعنی اپنے استاذ الاستاذ کی ملاقات کو آئے، ملا ولی اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں:۔

می گفتند کہ من یکبار بجہت ملاقات
مولانا علیہ الرحمہ آمدم و موسم سرما بود
آں وقت قریب شام اندکے تاریکی شب
گشتہ بود کلاہ سمور بر سر مبارک داشت
دمن آں وقت از سبب تاریکی دریافتم
کہ موئے بر سر بطریق حلقہ کہ نامشروع
است نہادہ و خطرۂ ایں معنی بخیال
من آمد و دو شبہہ دیگر بخیال داشتم

مولانا واضح بیان کرتے تھے کہ ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کی ملاقات کی غرض سے ایک دفعہ میں حاضر خدمت ہوا
جاڑے کا زمانہ تھا اور شام کا وقت، مگر تھوڑا تھوڑا
اندھیرا پھیل چکا تھا، اس وقت ملا صاحب اون
کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، اندھیرے کی وجہ سے
میں یہ سمجھا کہ ملا صاحب کے سر پر اس طرح کے بال ہیں
جیسے لوگ رکھ لیتے ہیں کہ سر کے گرد بالوں کا
حلقہ اور بیچ سے بالوں کا صفایا، یہ طریقہ

با وصف آنکہ مزاولت بایں فن علما حرام نوشتہ اند

اول بتواضع و مدارا با من پرداخت بعد ازاں کلاہ از سر برداشت وگفت اے فلاں! سمور بسیار گرم و نافع موسم سرماست دانستم کہ ایں اشراف بر خطرۂ ماست و جواب از واہمہ کہ عارض خاطر گردیدہ بود، بعد ازاں حقہ خادمے آوردہ پیش وے نہاد خواستم کہ سوال از حل و حرمتش بنمایم قبل ازاں کہ سخن در آرم گفت: عمر بمطالعہ کتب فقہیہ گزشت اما تحریم حقہ و درس منطق از کلام معتبرین ثابت نگشتہ و شاہ علم اللہ جد شما شاید حقہ را حرام می گفتند، ایں را اگر از کتابے بر آوردہ باشند مرا نشان دہید گفتم تصریح دریں باب واقع نگشتہ اما حرکت لغو و بے فائدہ است

خلاف شرع ہے، اس وقت اس خلاف شرع بات کا گمان میرے دل میں ہوا، دو شبہے اور بھی تھے، ایک یہ کہ ملا صاحب حقہ پیتے ہیں، دوسرے یہ کہ منطق پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں حالانکہ علماء نے منطق میں مشغولیت کو حرام لکھا ہے۔ ملا صاحب مجھ سے بڑی تواضع اور مدارات سے پیش آئے، اس کے بعد اپنے سر سے بالوں کی ٹوپی اتاری اور فرمایا: میاں محمد واضح سمور بہت گرم اور جاڑوں میں بہت مفید ہوتا ہے، میں سمجھ گیا کہ میرے دل میں جو بد ظنی تھی اس پر ملا صاحب مطلع ہو کر میرے وہم کا جواب دے رہے ہیں، اتنے میں ایک خدمت گذار نے حقہ لا کر ملا صاحب کے سامنے رکھ دیا اب میں حقہ کے جائز و ناجائز ہونے کے بارے میں استفسار کرنا ہی چاہتا تھا کہ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی ملا صاحب نے فرمایا: ساری عمر فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں گذر گئی لیکن مستند مصنفین کی کتابوں میں کہیں بھی حقہ کشی اور منطق پڑھانے کی حرمت کا کوئی ثبوت

ازیں جہت منع می کرد، فرمود با ایں منافع ہم دارد مثل کسر ریاح و دفع قبض وغیرہ اوجاع و امراض بادی بعضے کہ دریں باب از حد افراط و تفریط در گزشتہ اند لغو و باطل ست چہ اصل ہر شے مباح است و ہرگاہ کہ از شارع نص بر حرمت نیافتہ باشند حمل بر اصل نمایند......

نہیں ملا، آپ کے دادا شاہ علم اللہ غالبًا حقہ نوشی کو حرام بتاتے تھے، اگر یہ مسئلہ انھوں نے کسی کتاب سے لیا ہے تو مجھے بھی اس کا حوالہ بتائیے" میں نے کہا اس بارے میں کوئی صراحت تو کتابوں میں نہیں ملتی ہے، لیکن چونکہ یہ ایک بے کار اور لغو کام ہے، اسی لیے وہ منع کرتے تھے" ملا صاحب نے فرمایا لیکن حقہ نوشی میں فائدہ بھی تو ہے، ریاح کا توڑنا، قبض کو رفع کرنا، درد اور بادی امراض میں اس کا مفید ہونا وغیرہ، جو لوگ اس سلسلے میں افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں وہ مہمل اور فضول بات ہے، اس لیے کہ ہر چیز مباح ہے، شریعت میں اگر حرام ہونے کی صراحت نہیں ہے تو اصل ہی پر ہر شے کو محمول کرنا چاہیے......

اما منطق وسیلۂ ازدیاد قوۂ نطقیہ و طریقۂ امتیاز رائے صواب از رائے باطل ست کہ مراعات قوانین منطق موجب عصمت

رہا منطق کا معاملہ تو وہ قوت عقلیہ میں اضافہ کرتی ہے اور صحیح اور غلط نتیجے کے درمیان اس کے ذریعہ فرق کیا جاسکتا ہے، منطق کے

از خطا است در فکر پس دانستن قدر ضروری
ازاں واجب، چہ دے از مبادی علم
اصول فقہ است و ممنوع و حرام فزادلت
قواعد فلسفیہ کہ مخالف نص قرآنی واحادیث
نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات باشند

قواعد کو پیش نظر رکھنے سے غور وفکر میں غلطی
سے حفاظت ہوتی ہے، اس لحاظ سے
بقدر ضرورت منطق کا جاننا واجب ہے
اس لیے کہ وہ علم اصول فقہ کے مبادیات
میں سے ہے، ممنوع یا حرام ہے، تو وہ فلسفے
کے ان قواعد و اصول میں مشغولیت ہے
جو قرآن و احادیث کے خلاف ہیں،

اس واقعہ سے ملا نظام الدین فرنگی محلی کی فقیہانہ نظر اور دینی بصیرت پر بھی بخوبی روشنی پڑتی ہے بلکہ ان کے مرتب کردہ درس، کا جسے درس نظامی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایک نمایاں پہلو ابھر کر سامنے آجاتا ہے وہ یہ کہ فقہی تنگ نظری کا اس سے سدباب ہو جاتا ہے، اس درس کے نتیجے میں علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں:

"علما میں وہ سختی کم ہو گئی جو فقہا میں عموماً ہوتی ہے، فتاویٰ عالم گیری میں تکفیر کا باب اٹھا کر دیکھو اس کے مقابلے میں مولانا بحر العلوم نے (ملا نظام الدین بانی درس نظامی کے فرزند اور شاگرد تھے) ارکان اربعہ میں امامت کی بحث میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا مقابلہ کرو تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا!" (درس نظامیہ از علامہ شبلی نعمانی)

فرق یہی نظر آئے گا کہ یہاں مسائل فقہیہ اصول پر منطبق نظر آئیں گے اور اصول ہی کی روشنی میں استفسارات کے جواب دیے جائیں گے، اگر ہر شے کی اصل مباح ہے تو جب تک اس کی ممانعت یا مضرت رسانی کے سلسلے میں کتاب و سنت سے کوئی سند نہ ملے گی، اس وقت تک وہ مباح ہی رہے گی، بر عکس اس کے فتاویٰ عالمگیری میں، جو قدیم، مستند اور غیر مستند فقہی ذخائر کا مجموعہ ہے، ان ذخائر

کے حوالے کی روشنی میں فیصلے ملیں گے، خواہ وہ اصول پر منطبق ہوں یا نہ ہوں، بانی درس نظامی کے استاذ الاساتذہ ملا عبد السلام دیوی (ملا قطب شہید سہالوی کے اور ان کے والد ماجد کے استاد) کے بارے میں رسالہ قطبیہ کے مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ:-

خلاف روایات فتاویٰ فتویٰ می دادند
چراکہ بر اصول منطبق نمی یافتند

فتاویٰ کی کتابوں میں درج فتووں
کے برخلاف فتویٰ دیتے تھے، اس لیے کہ
کتابوں میں درج فتاویٰ اصول فقہ پر
منطبق نہیں پاتے تھے،

تو اس کا مطلب یہی ہے کہ فتاویٰ کے ذخیروں میں جو فتوے درج ہیں ان میں ایسے بھی ہیں جو اصول فقہ کے مقررہ قواعد استنباط مسائل کے مطابق نہیں ہیں، اسی لیے ملا عبد السلام دیوی جو بقول مصنف رسالہ قطبیہ علم اصول فقہ کے ہندوستان میں رواج دینے والے تھے، ان ذخائر فتاویٰ میں درج فیصلوں کے خلاف فتویٰ دیتے تھے، بانی درس نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلی بھی جو فقہی رائے رکھتے تھے، وہ اصول کی روشنی میں قائم کر کے رکھتے تھے، اور عام فقہاء کی طرح تشدد اور تقشف سے کام نہیں لیتے تھے، اور یہ نتیجہ تھا معقولات سے مزاولت رکھنے کا کہ فکر و نظر سے مسئلہ کی تہ تک پہنچنے کا سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے،

مشرب کے اعتبار سے ملا صاحب صوفی تھے، اور اپنے وقت کے ایک ممتاز قادری شیخ حضرت سید شاہ عبد الرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے، یعنی ان کو اپنے مرشد کی طرف سے لوگوں کو مرید کرنے کی اجازت تھی۔ ان کے مریدوں کی تعداد خاصی تھی جن کی تربیت ملا صاحب کرتے تھے، کشف و کرامات کے متعدد واقعات عمدۃ الوسائل میں درج ہیں جن میں سے ایک واقعہ ایسا ہے جو علمی رنگ بھی رکھتا ہے،

ملا محمد مبین فرنگی محلی نے بیان کیا کہ مولوی امین الدین نے مجھ سے یہ واقعہ نقل کیا کہ میں خدمت میں حاضر تھا، ملا صاحب نے فرمایا کہ ایک صاحب چار منزل سے میرے لیے حاشیۂ عبد الحکیم سیالکوٹی لا رہے ہیں، یہ نہیں معلوم کہ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کا کونسا حاشیہ ہے (ملا سیالکوٹی کے کئی کتابوں پر حاشیے ہیں) جی چاہتا ہے کہ تفسیر بیضاوی پر ان کا جو حاشیہ ہے وہ ہو۔ — ایسا ہی ہوا کہ چار روز کے بعد وہ صاحب آئے اور انھوں نے ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کا وہ حاشیہ پیش کیا جو انھوں نے تفسیر بیضاوی پر لکھا تھا، مولوی امین الدین کہتے تھے، کہ مجھے مدتوں یہ خلجان رہا کہ ملا صاحب نے بطور کشف یہ تو معلوم کر لیا کہ اتنی دور سے ایک شخص ان کے لیے حاشیۂ عبد الحکیم لے کر آ رہا ہے، لیکن کشف سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کونسا حاشیہ ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ جب میں نے کتابوں میں یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو از روئے کشف مقام ہجرت معلوم ہوا تھا اور آپ نے صحابہ سے اس کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ نہیں معلوم ہوا کہ ہجرت کی جگہ مدینہ ہے یا ہجر اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ کشف میں اسی طرح ہوتا ہے کہ جو چیز دکھائی جاتی ہے اس کی بعض علامتوں کو ظاہر کر دیا جاتا ہے، اور بعض کو نہیں ظاہر کیا جاتا، اس وقت میری تسلی ہو گئی،

ایک صاحب میاں محمد ماہ جوہری تھے، جو بڑے دیندار آدمی تھے، ان کے بارے میں ملا محمد ولی اللہ نے لکھا ہے کہ

از ابتدائے طفولیت بخدمت مولانا	بچپن ہی سے ملا صاحب کی خدمت میں
علیہ الرحمہ حاضر می شدند و استفادہ	حاضر ہوا کرتے تھے اور ان سے فیض بھی
کردہ اند	حاصل کیا تھا۔

میاں محمد ماہ جوہری نے اپنا ایک واقعہ خود ملا ولی اللہ فرنگی محلی سے بیان کیا کہ مجھے جوانی کے زمانے میں بعض صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظنی رہتی تھی، ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ

ایک بہت اونچا پہاڑ ہے، جو بیچ سے دو ٹکڑے ہو گیا ہے، اور میری طرف اس طرح بڑھ رہا ہے کہ جیسے میرے گلے میں طوق کی طرح اتر کر مجھے ہلاک کر ڈالے گا، خوف کے مارے میری آنکھ کھل گئی اور صبح ہی میں ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پورا خواب ان سے بیان کیا، ملا صاحب نے فرمایا:-

شاید شما را با کسے از اصحاب جناب	شاید تم اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے
پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بداعتقادیست	کسی سے بداعتقاد ہو، اسی سے تم پر یہ
ازیں سبب بر شما چنیں حادثہ پیش آمدہ	حادثہ گذرا، وہ پہاڑ تمھارا ایمان ہے جو
و آں کوہ ایمان شما بود کہ ازیں باعث	اسی بداعتقادی کی وجہ سے شق ہو گیا
شق گشتہ و در تخلل افتادہ و سابق ازیں	اور یہ پریشانی پیدا ہوئی، میاں محمد ماہ
بر عقیدۂ من اطلاع نداشت فرمود کہ	جوہری کہتے تھے کہ میرے اس عقیدے کی
لازم کہ ازیں توبہ کن وگرنہ موجب	کوئی خبر ملا صاحب کو پہلے سے نہ تھی، یہ
ہلاک تو گردد	خواب سنکر ملا صاحب نے فرمایا کہ اس بداعتقادی
	سے توبہ کرنا تمھارے اوپر لازم ہے، ورنہ
	تمھاری تباہی کا باعث ہو گی۔

ملا صاحب کے دو بھانجے محمد عاشق اور فرحت اللہ، زمیندار تھے، ایک دفعہ مالگذاری کے محاسبے کے سلسلے میں محمد اکبر یار خان ناظم علاقہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، ان کے رشتہ دار اور عزیز ملا صاحب کی خدمت میں دعا کے لیے حاضر ہوئے، ملا صاحب نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص زیادہ دیندار ہو وہ یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ[ع] کا جس قدر ممکن ہو ورد کرے، اس ورد کے دوران ورد کرنے والے

ع اس ورد کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علماء میں اختلاف رائے ہے، بعض علماء اس ورد کے پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں، کوئی سو سال پہلے اس سلسلے میں ایک صاحب نے جن علماء سے استفتا کیا تھا ان میں مولانا رشید احمد گنگوہی دیوبندی بھی تھے،

(باقی حاشیہ ص ۱۴ پر)

نے حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا، حضرت غوث پاکؒ نے خواب دیکھنے والے کو اپنے پائے مبارک کے آبلے دکھائے اور دریافت فرمایا کہ تم نے اتنی تکلیف مجھے کیوں دی، واقعہ سننے کے بعد ناظم محمد اکبر یار خاں کو یاد فرمایا، اور اس کی سرزنش فرمائی، خواب دیکھنے والے نے خواب کی تفصیل ملا صاحب سے عرض کی، اس وقت ملا صاحب کے برادر زادے ملا احمد عبدالحق فرنگی محلی بھی موجود تھے، انھوں نے خواب سنکر فرمایا کہ کام تو ہو جائے گا لیکن حضرت غوث پاکؒ کا اظہار تکلیف اور آبلہ پائی قرینہ ہے کہ کام ہونے میں دیر ضرور لگے گی۔ (عمدۃ الوسائل)

ایک نابینا شیخ ملک محمد، ملا صاحب کی خدمت میں آئے اور اپنی معذوری اور بے روزگاری کا حال بیان کیا، ملا صاحب نے ان کو تسلی دی کہ بینائی نہ ہونے سے پریشان نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمھیں ایسی صلاحیت بخشے گا کہ ہر قسم کے ہتھیار اور جواہرات کو ہاتھ سے چھو کر اس کی عمدگی، خرابی اور قیمت وغیرہ کا صحیح اندازہ بتا دوگے، اور یہی پیش آیا کہ وہ تلوار وغیرہ کو چھو کر بتا دیتے تھے کہ اس کا لوہا کس قسم کا اور اس کی خوبیاں کیا کیا ہیں، یہاں تک کہ اگر ایک تلوار دوبارہ ان کو دکھائی جاتی تو وہ بتا دیتے کہ اسے دیکھ چکے ہیں، اور اس کا لوہا جوہر اور صفائی اس قسم کی ہے، ماہرین اسلحہ و فولاد ملک محمد اعمیٰ کے اندازوں کی توثیق کرتے تھے، اس سلسلے میں ان کی ایسی شہرت ہوگئی کہ:

ناظم الممالک وزیر الممالک نواب صفدر	ناظم صوبہ اودھ وزیر الممالک نواب صفدر
جنگ ابوالمنصور خاں بہادر غفر اللہ تعالیٰ	جنگ ابوالمنصور خان بہادر نے انکا شہرہ سنکر بلوایا
او را طلبید و تمامی سلاح خانہ خود ملاحظہ	اور اپنے اسلحہ خانے کے تمام ہتھیار دکھائے،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳) انھوں نے بھی کلیتاً اس ورد کو ممنوع نہیں قرار دیا ہے، ان علماء کے جوابات کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں، کتاب کا نام ہے: "فتویٰ جواز یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ"۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اسکی اجازت دی ہے، انکی تحریری اجازت مولانا حکیم واثق الیقین سجادہ نشین کرسی ضلع بارہ بنکی اور مولانا محمد ناصر فرنگی محلی دحفید ملا نظام الدین کے پاس میں نے خود دیکھی ہے۔ محمد رضا انصاری

کنانید و صفت ہر یک از شمشیر ہا و کاردہا	تلواروں، خنجروں وغیرہ کے جو جو اوصاف
و دیگر اسباب آہنی کہ ملک محمد بیان ساختند	ملک محمد نے بیان کیے درحقیقت وہ ان ہی
بواقع ہم چناں بود، دانست کہ ایں مرد	اوصاف کے حامل اسلحہ تھے، صفدر جنگ
کامل است در فن خویش مدد معاش او	کو یقین ہوگیا کہ یہ شخص اپنے فن میں کامل ہے
مقرر کردہ دادند و بخوبی تمام بخانۂ خود	اور ان کا گزارہ مقرر کر دیا، وہ مزے میں
نشستہ اوقات بسر می کرد و می گفت	اپنے گھر میں بیٹھے زندگی کے دن گزارتے
کہ ایں ہمہ بہ برکت زبان مولانا علیہ الرحمہ	رہے، ملک محمد کہا کرتے تھے کہ یہ ساری
بمن حاصل گشتہ ورنہ من ہماں اعمیٰ	شہرت اور خوشحالی ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی
کہ بودم (عمدۃ الوسائل)	زبان کی برکت کا طفیل ہے ورنہ میں تو وہی
	نابینا ہوں جو تھا۔

ملا نظام الدین کے دیکھنے والوں سے سنکر ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے جو خصوصیات ملا صاحب کے بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں:-

کان براً شریفاً کریماً حلیماً تقیاً زاہداً	نیک خصائل، شریف، مہربان، بردبار، متقی،
ورعاً متبعاً لسنۃ رسول اللہ فی اعلائے	زاہد، پرہیزگار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت
کلمۃ الحق وکان لا یتکلم الا الینا من القول	کے پیرو، حق بات کہنے میں، ہمیشہ نرم بات کہتے
ولا یلبس الا اخشنا من الثیاب عضداً	اور موٹا جھوٹا کپڑا پہنتے، کمزوروں کے قوت بازو
للضعفاء وقوۃ للمساکین وہادیاً للمضلین	غریبوں کے لیے قوت اور گمراہوں کے رہنما تھے،
.... ہرگز گاہے بجہت طلب معاش	.......گزارہ مقرر کرانے کی خواہش لیکر
بجانب احدے از اہل دول التجا نبردہ	کبھی کسی دولتمند یا حاکم کے پاس نہیں گئے

(بغیر خدا حال خود کسے نگفتہ) سوائے خدا کے اپنا حال کبھی کسی سے نہیں کہا،

خدائے تعالیٰ کے سوا کسی پر اپنا حال ظاہر نہ کرنے کے ذاتی رویہ کے ساتھ ساتھ ملا صاحب اس کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ ان کے متعلقین میں کوئی ایسی بات زبان سے نکالے جو خدا کے علاوہ کسی اور پر اعتماد کا پہلو رکھتی ہو، اسی سلسلے کا واقعہ یہ ہے کہ جب ملا صاحب مرض الموت میں مبتلا ہو گئے اور آخری حالت ہو گئی تو ملا صاحب کی پہلی بیوی حاضر خدمت ہوئیں اور کہا "آپ کی خدمت میں مجھ سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کو معاف کر دیجئے"، ملا صاحب نے فرمایا "تم سے کوئی قصور یا کوتاہی نہیں ہوئی، میں نے ہی تمہارے سلسلے میں کوتاہی کی کہ تمہارے اوپر تمہاری سوت لے آیا، میں خود تم سے معذرت خواہ ہوں"۔ دوسری بیوی (والدۂ ملا بحر العلوم) اسکے بعد آئیں اور کہنے لگیں "میرے لیے کیا فرماتے ہیں، اور مجھے مع ان بچوں کے کس کے سپرد کر رہے ہیں، آپ کے بعد آپ کی بیوہ اور ان یتیموں کی خبر گیری کون کرے گا؟

بسمع ایں کلمات مغموم خاطر گشت و	یہ الفاظ سنکر ملا صاحب کبیدہ خاطر
گفت مرا بردارید مرداں گرفتہ بردا شتند	ہو گئے اور فرمایا "مجھے اٹھا کر بٹھا دو"
فرمود از پیش من برخیزید نظام الدین	حاضرین نے سہارا دیکر بٹھا دیا، فرمایا
می برد، خدائے کہ رزاق مطلق است	(غالباً زوجۂ ثانیہ سے مخاطب ہو کر)
موجود باقی ست، ایں بگفت و بعقد	میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، نظام الدین
انامل مشغول گشتہ	سو رہا ہے، خدا جو رازق مطلق ہے باقی
	اور موجود ہے"۔ یہ فرما کر ملا صاحب
(عمدۃ الوسائل)	انگلیوں پر وظیفہ پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

ملا صاحب کی گزر بسر کا ذریعہ کیا تھا؟ اس سلسلے میں ایک حوالہ تو "حویلی فرنگی" کے اس فرمان میں

ملتا ہے، جو اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۱۰۵ھ میں جاری کیا تھا جس میں "حویلی فرنگی" کے ساتھ متعلقات حویلی" کا بھی ذکر ہے، یہ "متعلقات حویلی" کرایہ داروں کے پاس تھے، اور جیسا کہ اوپر گذرا، سرکش کرایہ داروں کو ملا صاحب کے برادر زادہ ملا احمد عبد الحق نے زیر کیا تھا، اور ان سے کرایہ داری کے سر خط لکھوا لیے تھے، مگر اس حوالے سے یہ نہیں معلوم ہو پاتا ہے کہ کتنی آمدنی ہوتی تھی، بہر حال جو بھی ہوتی ہوگی وہ اولاد ملا قطب الدین شہید میں تقسیم ہوتی ہوگی، اس میں ملا صاحب کا کتنا حصہ ہوا کرتا تھا، یہ آج بتانا بہت مشکل ہے،

اورنگ زیب عالمگیر کا ایک دوسرا فرمان، انتہائی کرم خوردہ حالت میں محفوظ رہ گیا ہے، جو "باسمہ سبحانہ وتعالیٰ شانہ" کی پیشانی سے شروع ہوتا ہے، اس کے نیچے ایک بڑی مہر سرخ روشنائی سے لگی ہے، جس میں "... فرمان ..... ابو المظفر ..... محمد محی الدین بادشاہ ..... "کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں، باقی دیمک کے نذر ہو گئے ہیں، فرمان کی داہنی طرف ایک اور مہر ہے، جو سیاہ روشنائی سے لگائی گئی ہے، اس کے وسط میں ابو المظفر محمد محی الدین عالمگیر کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں، "ابن" کے تحت اردگرد کچھ نام اور ہیں جو پڑھے نہیں جاتے، مہر کے چاروں کونوں پر اللہ کے چار نام لکھے ہیں، جن میں سے دو "یا واسع" یا "نافع" صاف صاف پڑھے جاتے ہیں اور "یا فتاح" بھی پڑھنے میں آتا ہے، اورنگ زیب کی یہ مہر سنہ ۱۰۸۰ھ کی ہے، مہر کا سال اسی پر کندہ ہے لیکن اجرائے فرمان کی تاریخ محو ہو گئی ہے، فرمان کی جو عبارت دیمک کی نذر ہونے سے رہ گئی ہے، وہ حسب ذیل ہے:-

"دریں وقت میمنت عنوان فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ یک صد و دو از دہ بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از پرگنہ دیوی تابع سرکار لکھنؤ مضاف صوبہ اودھ در وجہ مدد معاش شیخ نظام الدین وغیرہ حسب الضمن مقرر باشد کہ حاصل آں را صرف

ایجاج نمودہ بدعاے بقائے دولت ابد طراز اشتغال نمایند، باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران

دگر و یان حال و استقبال آراضی مزبورہ را بپیمودہ وچک آنہا .... و قانون

گوئی و ضبط ہرسالہ بعد تشخیص چک و تکرار زراعت و کل مطالبات سلطانی و تکالیف

دیوانی ......"

اس کرم خوردہ فرمان سے اتنی بات معلوم ہوجاتی ہے کہ اورنگ زیب نے قصبہ دیوی کی ایک سو بارہ بیگھہ آراضی جو قابل کاشت تھی، ملا نظام الدین وغیرہ (یعنی اولاد ملا قطب الدین شہید سہالوی) کو گزر بسر کے لیے دی تھی کہ اس کی پیداوار کو وہ اپنے صرف میں لائیں اور سلطنت کی دعاگوئی میں مصروف رہیں،

اس فرمان میں بھی تنہا ملا نظام الدین کی گزر بسر کا جداگانہ بند و بست نہیں ملتا ہے، ملا قطب الدین شہید کا پورا کنبہ جو ملا نظام الدین کے فارغ التحصیل ہونے تک اس سے زیادہ ہوچکا تھا، جتنا سہالی سے ترک وطن کرکے آیا تھا، اس پیداوار میں بہ حصۂ رسدی حق دار تھا، یقینی ہے کہ یہ فرمان "حویلی فرنگی" کے فرمان کے کئی سال بعد صادر ہوا اور اس وقت صادر ہوا جب ملا صاحب جو پہلے فرمان کے وقت ۱۲ سال کے تھے، اس لیے قابل ذکر نہ تھے، اس فرمان کے وقت سرگروہ خاندان ملا قطب شہید ہوچکے تھے، اور یہ اورنگ زیب کا آخری زمانہ ہوگا،

ایک اور فرمان کی اصل تو نہیں مگر نقل محفوظ رہ گئی ہے، جس پر کوئی مہر نہیں ہے،

اس "فرمان والاشان" کی تاریخ اجراء "دہم رجب المرجب سال دوم از جلوس والا" ہے پورا فرمان گھسیٹ میں نقل ہوا ہے، اور غیر ماہر اسے بدقت پڑھ لے سکتا ہے، اس لیے کہ پورا کا پورا محفوظ ہے،

ایک غیر ماہر تو کے اسے جس قدر پڑھ سکا، اس کا ضروری اقتباس حسب ذیل ہے :-

فرمان واجب الاذعان صادر شد کہ دو روپیہ بلا قصور ..... معاف یومیہ از خزانۂ

عامرہ سرکار لکھنؤ صوبۂ اودھ در وجہ مدد معاش ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین شہید

حسب الضمن مقرر یافت برآوردہ صرف معیشت نمودہ بدعائے بقائے دولت ابد قرین

مواظبت نمایند، باید کہ متصدیان مہمات دوار دیمگان و مسرفان حال و استقبال

یومیہ مذکورہ را موافق ضابطہ و معمول بادی رسانیدہ باشند و اندریں باب ہرسال سند

مجدد و نطلبند و اگر در مجلد ..... آنرا اعتبار نہ کنند۔ شرح یادداشت واقعہ بتاریخ

...... دہم ذو الحجہ سنہ ۲ جلوس معلی موافق ۱۱۱۹ھ مطابق ۲۲ اسفندار ماہ سر۔

شرح یادداشت کے تحت متعدد عہدیداروں کے نام درج ہیں، (۱) رفیع القدر امجد خاں (۲) فدوی درگاہ آسمان جاہ میر محمد (۳) شجاعت نشان صمصام الدولہ باقر بیگ بخشی الملک امیر الامراء بہادر نصرت جنگ (۴) رکن السلطنت العلیہ نظام الملک آصف الدولہ، (۵) مؤتمن الدولۃ العلیہ معتمد السلطنۃ الالٰہیہ عمدۃ امرائے رفیع الشان زبدۃ خوانین ..... جملۃ الملک مدار المہام خانخانان بہادر ظفر جنگ ......

اس کی پشت پر ایک مہر ہے جس کی عبارت یہ ہے "خادم شرع مفتی محمد غوث"۔ اس فرمان کی تاریخ اجراء "سال دوم جلوس والا" ہے، جس کو ۱۱۱۹ھ کے مطابق کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فرمان اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال (وفات ۱۱۱۸ھ) کے بعد اس کے بیٹے شاہ عالم محمد معظم شاہ کی تخت نشینی کے دوسرے سال جاری ہوا تھا،

اورنگ زیب عالمگیر کی طرف سے قصبہ دیوی (ضلع بارہ بنکی) کی ایک سو بارہ بیگھہ آراضی قابل کاشت کے فرمان کے بعد جس میں "شیخ نظام الدین وغیرہ" شامل تھے، اس کے بیٹے محمد معظم شاہ کا فرمان آتا ہے، جس کی نقل اوپر گذری، اس میں دو روپیہ یومیہ کا گزارہ

حضرت "ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین شہید" کے نام مقرر ہوا ہے، لیکن یہ دو روپے یومیہ کا گزارہ بھی تنہا ملا نظام الدین کا نہ تھا، اس کے بعد والے ایک اور پروانہ میں جس میں "دو روپیہ یومیہ" کا ذکر ہے "وغیرہ" بھی بڑھا ہوا ہے، یہ پروانہ جس میں "وغیرہ" کا اضافہ ہے، دو مہریں رکھتا ہے جو صاف صاف پڑھی جاتی ہیں (۱) حبش خاں مرید عالمگیر بادشاہ (۲) سربلند خاں بندۂ فرخ سیر بادشاہ غازی، فرخ سیر کی مدت حکومت ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۳ء سے ۱۱۲۹ھ / ۱۷۱۹ء تک ہے، اسی طرح ایک اور فرمان یا پروانہ مہری "قطب الملک یمین الدولہ ـ خان بہادر ظفر جنگ ـ فدوی محمد فرخ سیر بادشاہ غازی" (مہر کے بعض الفاظ پڑھے نہیں گئے) بھی ہے، "حبش خاں مرید عالمگیر بادشاہ" والا پروانہ جس پر دوسری مہر "سربلند خاں بندۂ فرخ سیر بادشاہ غازی" کی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب ہی کے زمانے کا ہے، اس لیے کہ اس پر تاریخ "بست ونہم شہر محرم الحرام سنہ ۴۲ جلوس والا" پڑی ہے اور ملا نظام الدین کی زندگی میں مغل بادشاہوں میں سے صرف اورنگ زیب ہی نے اپنے جلوس کا بیالیسواں سال پایا تھا، اورنگ زیب کا بیالیسواں سال ہجری سال کے سنہ ۱۱۱۰ھ کے مطابق پڑتا ہے، اور یہ زمانہ ملا نظام الدین کی طالب علمی کا تھا، اسی لیے اس پروانہ میں بھی ان کے بڑے بھائی "شیخ محمد (اسعد) وغیرہ" کا ذکر ہے، اس کے ۱۵-۱۶ سال بعد اسی کی تجدید فرخ سیر نے کی، اس وقت ملا نظام الدین فرنگی محل میں مسند درس بچھا کر طلبہ کو فیض پہنچانے لگے تھے، اور اس وقت تک غالباً ان کے دونوں بڑے بھائی وفات پا چکے تھے، اس لیے اس پروانے میں جو قطب الملک یمین الدولہ ... خان بہادر ظفر جنگ فدوی محمد فرخ سیر بادشاہ غازی" کی مہر سے مزین ہے" ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین شہید" کا نام ہے،

یہاں ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ اورنگ زیب کے بیالیسویں سال جلوس کا جو فرمان ہے جس میں "یک روپیہ در وجہ یومیہ" کا ذکر ہے، اس میں بھی اشارہ ملتا ہے کہ طلبہ اور زمانہ

کے مصارف کے پیش نظر یومیہ مقرر ہوا تھا۔ فرمان کا عہد وہ ہے جب ملا نظام الدین خود طالب علم تھے، ان کے پاس طلبہ کے آنے کا کیا موقعہ ہو سکتا ہے، اس فرمان میں بیشک ملا نظام الدین کا نام نہیں ہے، ان کے بھائی شیخ محمد (اسعد) وغیرہ کا نام ہے، مگر شیخ محمد اسعد تو خود دربار عالمگیری سے متعلق تھے، اور عالمگیر کے ساتھ ہی رہتے تھے، پھر فرنگی محل میں اس وقت طلبہ کا مرجع و ماوی کوئی تھا؟ ملا نظام الدین کے منجھلے بڑے بھائی ملا محمد سعید بھی خاندان ملا قطب شہید کو فرنگی محل میں بسا کر بادشاہ کے پاس چلے گئے تھے، وہ یہاں رہتے ہوتے تو طلبہ ان کے پاس پڑھنے آسکتے تھے، بہرحال اس "یک روپیہ در وجہ یومیہ" والا فرمان یہ ہے:-

متصدیان مہمات حال و استقبال پرگنہ سرسنڈی و گوپی سرکار لکھنؤ مضاف بصوبہ اودھ بدانند چوں حقیقت استحقاق فضیلت و کمالات دستگاہ شیخ محمد وغیرہ فرزندان غفران پناہ مولوی حضرت شیخ قطب الدین قدس سرہ بظہور پیوست کہ ہیچ وجہ معیشت ندارند بعسرت می گزرانند و خرچ و اخراجات طلبہ و وارد و صادر و البتہا بسیار دارند لہذا مبلغ یک روپیہ در وجہ یومیہ وصولی بلاد قصور حسب الضمن از محصول پرگنات من ابتدائے پانزدہم شہر ربیع الاول سنہ ۴۲ بجہت خرچ و اخراجات بتصدق فرق مبارک بندگان حضرت خلافت منزلت قدر قدرت ظل سبحانی مقرر نمودہ شد کہ از تحویل فوطہ دار پرگنات مذکور گرفتہ بتصرف خود در آوردہ بعبادت الہی و بدعا گوئی مشغول باشند تحریر بتاریخ بیست و نہم شہر محرم الحرام سنہ ۴۲۔

اس فرمان کی پشت پر جو شرح یادداشت ہے، اس میں چار الگ الگ خط کھنچے ہیں اور ان کے نیچے الگ الگ "فرزندان غفران پناہ مولوی حضرت شیخ قطب الدین قدس سرہ" کے نام لکھے ہیں، جن میں دو نام "نظام الدین" اور "محمد رضا" صاف پڑھے جاتے ہیں، اس فرمان کے

بموجب ایک روپیہ یومیہ میں ملا صاحب کا حصہ ایک چوتھائی ہوا۔ "اخراجات طلبہ و وارد و صادر" تاریخ اجرائے فرمان یعنی ۱۱۱۱ھ میں فرنگی محل میں کب ہوتے تھے؟ یہ تو ملا نظام الدین کے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۱۱۶ھ یا ۱۱۱۷ھ میں شروع ہوئے ہوں گے، اور اورنگ زیب کے بیٹے محمد معظم شاہ کے سال دوم جلوس والا مطابق ۱۱۱۹ھ میں بے شک طلبہ کی کثرت کے نتیجے میں ملا صاحب کو کفالت طلبہ میں تنگی محسوس ہوئی ہوگی، محمد معظم شاہ بادشاہ کے فرمان میں جو اوپر مذکور ہوا "ایک روپیہ" کے بجائے "دو روپیہ یومیہ" بصراحت "ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین" درج ہے۔ اس کے بعد فرخ سیر کے فرمان میں بھی ملا نظام الدین کے نام کی صراحت کے ساتھ "دو روپیہ یومیہ" گزارہ باقی رکھا گیا۔

ان دستاویزوں کے پیش نظر ملا صاحب کے گزارے کی "مشترکہ" اور "منفرد" تفصیل اس طرح کی جاسکتی ہے:-

۱۔ چاروں بھائیوں میں مشترک ۔ کرایہ متعلقات حویلی فرنگی
از روئے فرمان اورنگ زیب عالمگیر بابت حویلی فرنگی ۱۱۰۵ھ

۲۔ چاروں بھائیوں میں مشترک ۔ قصبۂ دیوی کی آراضی کی پیداوار
از روئے فرمان اورنگ زیب عالمگیر (تاریخ محو ہوچکی ہے)

۳۔ چاروں بھائیوں میں مشترک ۔ ایک روپیہ یومیہ
از روئے فرمان اورنگ زیب تاریخ جلوس والا سال ۴۲ھ

۴۔ صرف ملا صاحب کے نام ۔ دو روپئے یومیہ برائے اخراجات طلبۂ وارد و صادر
از روئے فرمان شاہ عالم محمد معظم شاہ بن عالمگیر ۱۱۱۹ھ

۵۔ ملا صاحب وغیرہ کے نام مشترک طور پر ۔ دو روپئے یومیہ
از روئے فرمان مہری سربلند خاں بندۂ فرخ سیر بادشاہ غازی

بہر حال ملا نظام الدین فرنگی محلی کا ذریعہ آمدنی "منفرد"، اگر تھا تو دو روپیہ یومیہ والا فرمان تھا، یہ روزینہ عہد فرخ سیر تک ضرور ملتا رہا ہوگا، اس کے بعد محمد شاہ بادشاہ کا لمبا دور آتا ہے، جس کے دوران صوبۂ اودھ میں وزیر الممالک نواب برہان الملک کا اقتدار قائم ہوا، اور علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے الفاظ میں:

"آں کہ برہان الملک سعادت خاں	یہاں تک کہ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے
نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ	عہد کے شروع میں برہان الملک
حاکم صوبۂ اودھ شد	سعادت خاں نیشاپوری صوبہ اودھ
و وظائف و سیور خالات	کا حاکم ہوا اور تمام پرانے اور نئے
خانوادہائے قدیم و جدید یک قلم	خانوادوں کے وظائف اور جاگیریں
ضبط شد و کار شرفا و نجبا بہ پریشانی	یک قلم ضبط ہوگئیں، شرفا اور نجباء
کشید و اضطرار معاش مردم	کے لیے زندہ رہنا مشکل ہوگیا، معاش
آں جا را از کسب علم باز داشتہ	کی مجبوریوں سے تنگ آکر اودھ کے
.......انا للہ و انا الیہ راجعون	لوگوں نے حصول علم سے ہاتھ اٹھا لیا
و بعد ارتحال برہان الملک	.........انا للہ وانا الیہ راجعون
نوبت حکومت بہ خواہرزادۂ او	برہان الملک کے انتقال کے بعد اسکے
ابو المنصور خاں صفدر جنگ رسید	بھانجے ابو المنصور صفدر جنگ کے
و وظائف و اقطاعات بدستور	ہاتھوں میں حکومت آئی، وظائف اور
زیر ضبط ماند .... و تا حین	جاگیریں بدستور ضبط رہیں، اس کتاب
تحریر کتاب ایں دیار پامال	کی تصنیف کے وقت تک اس

حوادث روزگار رست.	دیار کے لوگ شدائد و حوادث روزگار
(دائرۂ کرام جس کی تصنیف کے اختتام کا	سے پامال ہو رہے ہیں
سال ۱۱۶۶ھ ہے، جو صفدر جنگ کی	
حکومت کا آخری سال ہے)	

علامۂ غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ تفصیل ملا نظام الدین فرنگی محلی کے احوال لکھنے کے فوراً بعد ہی تحریر کی ہے، عجب نہیں کہ ملا صاحب کے حالات سے متاثر ہو کر ہی یہ ضمنی تحریر ان کے قلم سے نکل گئی، علامہ آزاد بلگرامی خود ملا صاحب سے ملنے لکھنؤ آئے تھے، جس کا زمانہ ۱۱۴۸ھ ہے، اور وظائف و جاگیرات کی ضبطی کو اس وقت ۱۸ سال گزر چکے تھے، اس لیے کہ علامۂ آزاد کی صراحت کے مطابق یہ صورت حال ۱۱۳۰ھ کے بعد پیش آئی، ۱۱۳۰ھ کے بعد اکتیس سال تک ملا صاحب بقید حیات رہے، ملا ولی اللہ فرنگی محلی کا کہنا

نہایت عسرت گذاشت اکثر تا سہ روز	انتہائی تنگ دستی کی زندگی گزارتے تھے،
ہیچ میسر نمی شد و بہ مشتے از نخود قناعت	عموماً تین تین روز تک گھر میں کھانا نہیں
می کرد بلکہ ایں ہم میسر نمی شد	پکتا تھا، صرف ایک مٹھی چنے پر بسر ہوتی تھی
	بلکہ ایک مٹھی چنے بھی میسر نہ ہوتے تھے۔

(باقی)

مقالات شبلی تعلیمی جلد سوم

مولانا شبلی کے تعلیمی مضامین کا مجموعہ جس میں ملا نظام الدین بانی درس نظامیہ کے حالات اور ان کے درس نظامیہ وغیرہ پر بہت مفصل مضامین ہیں، یہ ملا نظام الدین فرنگی محلی پر مولانا شبلی کے قلم سے اردو میں پہلی تحریر ہے، بہت جامع اور معلومات افزا۔ قیمت ۲۵ پیسے

منیجر

مستدرک حاکم اور اس پر اعتراضات کا جائزہ

از
ضیاء الدین اصلاحی رفیق دار المصنفین

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم (م ۴۰۵ھ) اکابر محدثین میں ہیں، ان کی سب سے اہم اور شہرۂ آفاق کتاب المستدرک علی الصحیحین ہے، اس مضمون میں پہلے اس کی خصوصیات اور اسکے متعلق ضروری معلومات بیان کیے جائیں گے اور اسکے بعد اس پر اور حاکم پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔

محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی وہ کتابیں مستدرک کہلاتی ہیں جن میں ان حدیثوں کو ذکر کیا جاتا ہے جو حدیث کی کسی اور کتاب کی شرط کے مطابق ہونے کے باوجود اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہوں[1]، اس طرح کی حدیث کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن سب میں امام ابو عبد اللہ حاکم کی المستدرک علی الصحیحین زیادہ مشہور و متداول ہے، جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر مستدرک ہے، یعنی اس میں ان حدیثوں کو شامل کیا گیا ہے جو حاکم کے خیال میں صحیحین کے معیار و شرائط کے مطابق ہونے کے باوجود ان میں شامل نہیں کی گئی ہیں۔

مستدرک کی تالیف کا سبب | حاکم نے مستدرک کے شروع میں اس کی تالیف کا سبب، مقصد اور ان

[1] مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص ۳۷ و ۱۰۳

حالات کا ذکر کیا ہے جو اس کی جمع و تالیف کا باعث ہوئے تھے، وہ لکھتے ہیں :-

" ائمہ حدیث میں ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل جعفی اور ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری نے صحیح حدیثوں کے دو نہایت عمدہ مجموعے مرتب کیے ہیں، ان دونوں کتابوں کی چاردانگ عالم میں شہرت ہے، لیکن دونوں بزرگوں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ بجز ان حدیثوں کے جن کی انھوں نے تخریج کی ہے اور کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، مگر ہمارے زمانہ کے بعض مبتدعین اور اہل اہوا جو محدثین پر سب و شتم کرنے میں بہت جری واقع ہوئے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے، رہے وہ اسانید جو ایک ہزار یا اس سے کچھ کم و بیش اجزا پر مشتمل ہیں، سب کے سب سقیم اور غیر صحیح ہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر اس شہر کے کچھ اعیان و مشاہیر اہل علم نے مجھ سے خواہش کی کہ میں ایک ایسی کتاب مرتب و مدون کروں جو ان حدیثوں پر مشتمل ہو جن کے اسانید اسی طرح کے ہوں جس طرح کے اسانید کو شیخین نے صحیح اور قابلِ احتجاج قرار دیا ہو، اس لیے کہ جو حدیث علت قادحہ سے خالی ہو اس کو صحیح سے خارج کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں "۔ (المستدرک، ج ۱، ص ۲ و ۳)

مستدرک کی اہمیت مستدرک کا شمار حدیث کی مشہور اور اہم کتابوں میں ہوتا ہے، اور بعض حیثیتوں سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے، شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ نے کتب حدیث کے تیسرے طبقہ میں اس کو محسوب کیا ہے[1]، اس طبقہ میں مسند دارمی، سنن دارقطنی، مسند ابو داؤد طیالسی اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ جیسی اہم اور بلند پایہ کتابیں ہیں، بعض محدثین نے اس کا پایہ صحیح ابن حبان کے قریب قریب بتایا ہے[2]، اور اس کا نام بھی صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کے ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے،

[1] عجالۂ نافعہ مع فوائد، ص ۵ [2] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۰،

حافظ ابن صلاح اور علامہ نووی نے صحاح کے بعد حدیث کی جن کتابوں کو زیادہ اہم، قابل اعتماد اور پر از منفعت قرار دیا ہے، ان میں امام دارقطنی کی سنن کے بعد اسی کا نام لیا ہے[1]،

مستدرک کی حدیثوں کی نوعیتیں اوپر حاکم کا جو بیان گذرا ہے، اس سے اور حاکم کی دوسری تصریحات سے مستدرک کی حدیثوں کی مندرجۂ ذیل نوعیتوں کا پتہ چلتا ہے :

(۱) مستدرک میں شیخین (امام بخاری و امام مسلم) کی ان متروک حدیثوں کو جو ان کے معیار و شرائط کے مطابق ہیں، جمع کیا گیا ہے،

(۲) دونوں بزرگوں میں سے صرف ایک کی متروک حدیثوں کو بھی درج کیا گیا ہے۔

(۳) مستدرک میں ایسی حدیثیں بھی شامل ہیں جو صحیحین کے اصول و شرائط کے مطابق تو نہیں ہیں لیکن امام حاکم کی تحقیق میں وہ صحیح اور علل و اسقام سے پاک ہیں[2]۔

(۴) حاکم کے بیان کے مطابق[3] بعض ایسی حدیثیں بھی مستدرک میں ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے اور وہ ان کے معیار و شرائط کے مطابق بھی نہیں ہیں لیکن انھوں نے ان کو شواہد و متابعات کی حیثیت سے یا اور کسی خاص اضطرار وغیرہ کی بنا پر نقل کیا ہے،

حاکم نے مستدرک میں کہیں کہیں ایک مقدمہ کا حوالہ دیا ہے، جس میں انھوں نے ان اصول و خصوصیات اور شرائط کا مفصل ذکر کیا تھا جن کو مستدرک کی تالیف و ترتیب میں مدنظر رکھا تھا، لیکن یہ مقدمہ مستدرک کے مطبوعہ نسخے میں شامل نہیں ہے، وہ یا تو محفوظ نہیں رہا یا حاکم نے اس کو مرتب ہی نہ کیا ہو، اور اس بنا پر کہ اس کو لکھنے کا ارادہ تھا، اس کا حوالہ دے دیا ہو، اگر یہ مقدمہ موجود ہوتا تو اس سے مستدرک کے اصول و شرائط اور اس کی حدیثوں کی نوعیت و خصوصیات معلوم کرنے میں بڑی آسانی ہوتی، تاہم جہاں جہاں اسکے حوالے دیے ہیں ان سے بھی مستدرک کی حدیثوں کی نوعیت

[1] مقدمہ ابن صلاح ص ۱۹۲ و تدریب الراوی ص ۳۰ و ۳۱ و ۲۶۰ [2] مقدمہ ابن صلاح ص ۱۱ [3] یہ حاکم کا خود بیان ہے، ورنہ عام اہل فن نے تو مستدرک میں ضعاف و موضوعات کی کثیر تعداد بتائی ہے۔ (ض)

خصوصیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے، اسلیے ذیل میں مستدرک کی حدیثوں کی بعض نوعیتیں ان حوالوں کی مدد سے لکھی جاتی ہیں۔

(۵) مستدرک میں ایک صحابی کی حدیث دوسرے صحابی سے بشرطیکہ وہ صحیح طرق سے ثابت ہو، درج کیجائے گی۔[1]

(۶) اگر کسی صحابی سے کسی ایک ہی معروف تابعی کی روایت کا پتہ چل سکا ہو تو اس کو بھی مستدرک میں بطور حجت پیش کیا جائے گا اور اس کو صحیح قرار دیا جائے گا۔[2]

(۷) ثقات کے تفرد اور اضافے کی تخریج بھی کیجائے گی بشرطیکہ وہ مرتب کے خیال میں علتوں سے خالی ہوں، کیونکہ ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔[3]

(۸) کسی موصول و مسند حدیث کو اگر ارسالاً اور موقوفاً بھی روایت کیا گیا ہو تو موصول و مسند حدیث کو محض دوسری حدیث کے وقف و ارسال کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ہمارے اصول و قاعدے کے مطابق ایسی صورت میں مسند و موصول روایت کرنے والے کی حدیث قابل قبول ہوگی۔[4]

(۹) حلال و حرام کے متعلق احادیث میں زیادہ احتیاط اور سختی برتی جائے گی، مگر فضائل اعمال کے سلسلہ کی حدیثوں میں زیادہ سختی سے کام نہ لیا جائے گا، اس اصول کے متعلق انھوں نے کتاب الدعوات میں شیخین کی متروک حدیثوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ابوسعید عبدالرحمن بن مہدی کا یہ قول بھی تحریر کیا ہے کہ

ہم لوگ جب رسول اللہ کی حلال و حرام سے متعلق حدیثیں روایت کرتے ہیں تو اسانید و رجال کو پرکھنے میں زیادہ شدت برتتے ہیں اور پوری احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہیں، مگر فضائل اعمال اور ثواب و عقاب، مباحات و دعوات سے متعلق روایات کے اسانید میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔"[5]

---

[1] المستدرک، ج ۱ ص ۹ و ۱۰۸ [2] ص ۲۳ [3] ایضاً ص ۴۲ و جلد ۲ ص ۵۰ [4] ایضاً ج ۱ ص ۱۶۷، ۱۶۹ [5] ایضاً

المدخل میں اس قول کے ساتھ امام احمد کا بھی اسی طرح کا ایک قول نقل ہے:-

"جب ہم لوگ رسول اللہ صلعم کے مرویات بیان کرتے ہیں تو حلال و حرام اور سنن و احکام کے سلسلے میں تشدد سے اور فضائل اعمال اور غیر احکامی حدیثوں میں لینت اور نرمی سے کام لیتے ہیں۔"[1]

تلاش تفحص امام ابوعبداللہ نے ان ہی اصول و شرائط کے مطابق مستدرک میں حدیثیں جمع کی ہیں اور جو حدیثیں ان کے مطابق نہیں ہیں ان کو نقل کرنے سے احتراز کیا ہے، چنانچہ کہیں کہیں مستدرک میں اس کی تصریح و توضیح کی ہے، اس سے مستدرک کی جمع و تالیف اور ترتیب و تدوین میں ان کی تلاش و محنت اور چھان بین کا پتہ چلتا ہے، بعض مواقع پر انھوں نے خود بھی اس تلاش و تحقیق کا ذکر کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"میں نے مشہور حدیث" من سئل عن علم فکتمہ جیئ بہ یوم القیمۃ وقد الجم بلجام من نار" کے متعلق جو متعدد طرق و اسانید سے مروی ہے، امام دارقطنی سے دریافت کیا کہ کیا عطا کی روایت کے متعدد اسناد میں کوئی سند صحیح ہے، انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، میں نے وجہ دریافت کی تو کہا کہ عطا نے حضرت ابوہریرہؓ سے سماع نہیں کیا ہے، لیکن جب میں نے اس کی مزید تحقیق کی تو متعدد لوگوں کے بارہ میں معلوم ہوا کہ انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے عطاء کے سماع کا ذکر کیا ہے، اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح سندوں سے مروی ہے اور اس میں کوئی سقم نہیں ہے، میری اس تحقیق کو امام دارقطنی نے بھی پسند کیا اور اس بارہ میں وہ میرے معترف اور ہمنوا ہو گئے۔"[2]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

"زکوٰۃ کی تفسیر و توضیح کرنے والی حدیثوں کی تخریج میں جس قدر ممکن ہو سکا ہے میں نے اپنی

---

[1] المدخل ص ۴ [2] المستدرک ج ۱ ص ۱۰۱

غیر معمولی محنت و کاوش صرف کردی ہے، اور ان کی صحت کے بارہ میں خلفاء، صحابہ اور تابعین کے صحیح اسناد، ان کے تواتر اور شہرت و قبول سے استدلال بھی مہیا کر دیا ہے جو غور و فکر کرنے والوں کے لیے کافی ہے"۔[1]

اس کی اور مثالیں بھی ہیں لیکن طوالت کے خوف سے انھیں قلم انداز کر دیا گیا، حاکم کی کاوش کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے مستدرک میں ایسی حدیثیں جمع کی ہیں جن سے حدیث کی دوسری کتابیں خالی ہیں۔

مستدرک کی خصوصیات | مستدرک کی بعض اہم خصوصیات یہ ہیں :۔

(۱) حاکم نے اس کی ترتیب، ابواب کی تبویب اور احادیث کے نقل و انتخاب میں حسن و موزونیت کے علاوہ بعض مقامات میں جدت و اختراع سے بھی کام لیا ہے، اس سے ان کی محنت اور جانفشانی کا بھی اندازہ ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں :۔

"جہانتک تلاش و اجتہاد نے میری رسائی کی ہے، میں نے خلفاء اربعہ کے فضائل سے متعلق وہ تمام حدیثیں جمع کردی ہیں جو صحیح سندوں سے مروی ہیں اور جن کو شیخین نے ترک کر دیا ہے، پھر میں نے اس کتاب کے نظم و ترتیب کے لحاظ سے یہ مناسب سمجھا کہ ان بزرگوں کے مناقب کے بعد دیگر صحابہ کے فضائل وفیات کی ترتیب پر جمع کر دوں"۔[2]

عام محدثین کے برخلاف انھوں نے کتاب الفتن والملاحم کے بعد کتاب الاہوال کا بھی ایک علحدہ باب علامہ ابن خزیمہ کے تتبع میں قائم کیا ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"میرے مبلغ علم کے مطابق آخری زمانہ کے فتن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مروی تھا وہ سب میں نے اس کے اندر لائق سندوں کے ساتھ بیان کر دیا ہے، شیخین نے

[1] مستدرک ج ۱ ص ۳۷، [2] ایضاً ج ۳ ص ۱۸۰

قیامت اور حشر و نشر کے احوال کی حدیثیں کتاب الفتن ہی میں شامل کر دی ہیں، لیکن میں نے اس سلسلہ میں ابو بکر بن محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کے انداز پر اسکو باب الفتن سے علحدہ ذکر کیا ہے"۔[1]

امام بخاری وغیرہ محدثین نے کتاب البیوع میں متعدد مستقل ابواب مثلاً کتاب السلم، شفعہ اور اجارہ وغیرہ قائم کیے ہیں، لیکن حاکم نے کتاب البیوع کے جامع عنوان ہی میں ان سب ابواب کو بھی جمع کر دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں :۔

"میں نے اسی کتاب (کتاب البیوع) کے ضمن میں ان کتب کو بھی درج کر دیا ہے جن کے لیے امام بخاری نے کتاب البیوع کے آخر میں مستقل عنوانات قائم کیے ہیں، یہ وضاحت اس لیے کردی گئی تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ میں نے کتاب البیوع کو ان ابواب سے خالی رکھا ہے"۔[2]

فضائل صحابہ میں صرف صحابہ کے مناقب و فضائل ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے سنین اور مختصر حالات بھی تحریر کیے ہیں۔

(۲) دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کی کتابوں کی بھی بعض خصوصیات و اصول اور ان کے متعلق مفید معلومات اس سے معلوم ہو جاتے ہیں، مثلاً

(الف) شیخین نے بعض غیر معلل حدیثوں کو نقل کرنے سے اس لیے احتراز کیا ہے کہ انکے رواۃ میں کوئی راوی قلیل الروایت رہا ہو، چنانچہ ایک حدیث کے بارہ میں لکھتے ہیں :۔

"اس حدیث کے از اول تا آخر تمام رواۃ سے بجز یوسف بن ابی بردہ کے شیخین نے حجت قائم کی ہے، اور جو کچھ اس سلسلے میں مجھکو معلوم ہے وہ یہ کہ ان دونوں حضرات نے کسی جرح و ضعف کی وجہ سے ان کو نہیں چھوڑا ہے، بلکہ انکی قلت روایت کی وجہ سے"۔[3]

(ب) شیخین نے بعض صحیح حدیثوں کو کسی ایک راوی کے تفرد یا اس حدیث کے دوسرے

[1] المستدرک ج ۴ ص ۵۵۸ [2] ایضاً ج ۲ ص ۶۵ و ۶۶ [3] ایضاً ج ۱ ص ۳۲

رواۃ کی کسی مخالفت و عدم متابعت کی وجہ سے اس کو نظر انداز کر دیا ہے، حاکم اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"حضرت عثمانؓ سے وضو کے متعلق جو حدیث مروی ہے اس کے طرق کی تخریج پر شیخین نے بھی اتفاق کیا ہے، لیکن ان کی روایات میں داڑھی کے تین بار خلال کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، حالانکہ یہ بھی صحیح اسناد سے ثابت ہے، اور ان دونوں بزرگوں نے عامر بن شقیق کے سوا اس کے تمام رواۃ سے حجت قائم کی ہے، لیکن عامر کے متعلق مجھ کو کسی طعن کا کوئی علم نہیں۔"[1]

(س) شیخین کے غیر معمولی حزم و احتیاط کی بنا پر روایت ترک کر دینے کا اصول بھی اس سے معلوم ہوتا ہے، مثلاً لکھتے ہیں :-

"یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، لیکن ان دونوں بزرگوں نے عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب کے تفرد اور ان کی جانب سوء حفظ کی نسبت کی وجہ سے اس کی تخریج نہیں کی ہے، مگر ہمارے ائمہ متقدمین کے نزدیک وہ ثقہ و مامون شخص ہیں۔"[2]

(ج) شیخین کے کسی راوی سے استشہاد کا حال معلوم ہوتا ہے۔

(د) شیخین یا ان میں سے ایک کے بارہ میں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ انھوں نے حاکم کے کن کن رواۃ سے احتجاج کیا ہے،

(۷) حدیثوں کے شیخین کے شرائط کے مطابق ہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض حدیثوں کو انھوں نے مکمل یا مختصر صورت میں یا قدرے فرق و اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے، چنانچہ کتاب العلم کی ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں :-

"اس کو شیخین نے مفصل و مختصر دونوں طرح سے ذکر کیا ہے، میں نے اس کا اعادہ اس وجہ سے

[1] المستدرک ج ۱ ص ۱۴۹ [2] ایضاً ص ۱، ۲و ۷

کیا ہے کہ اس کے سوا مجھے ان کے یہاں اجماع کی حجیت ثابت کرنے والی اور کوئی حدیث نہیں ملی، باقی ان ابواب میں اس موقع پر میں نے متعدد ایسی حدیثیں نقل کی ہیں جنکی ان لوگوں نے تخریج نہیں کی ہے۔"[1]

۳۔ مستدرک میں فقہی مسائل سے کم تعرض کیا گیا ہے، تاہم ان کے ذکر سے یکسر خالی بھی نہیں ہے، اور حاکم نے بعض فقہی اختلافات میں مرجح و اولیٰ کی نشاندہی بھی کی ہے جس سے انکی اجتہادی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے،

۴۔ مستدرک کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بعض حدیثوں کے مراجع و مصادر کی نشاندہی بھی کی ہے، اس سلسلہ میں جامع بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، مؤطا امام مالک المبسوط امام شافعی اور صحیح ابن خزیمہ کے نام لیے ہیں، لیکن بعض کی کتب مسانید و وحدان کا نام لیے بغیر بھی ذکر کیا ہے،

۵۔ بعض ابواب اور مضامین کی حدیثوں کو جمع کرنے میں بڑا اہتمام کیا ہے، اور بعض حدیثوں کے اسناد و طرق کو جمع کرنے میں بڑے استقصاء سے کام لیا ہے، اسی لیے مستدرک میں بکثرت ایسی حدیثیں ہیں جن سے دوسری کتب حدیث خالی ہیں،

(۶) حدیثوں کی تصحیح و تصویب، ان کے قوی و عزیز، ضعیف و شاذ اور غریب ہونے کی نشاندہی، وقف و ارسال، رفع و اتصال اور علوئے اسناد کی تصریح، حفظ و ضبط اور اتقان وغیرہ کے لحاظ سے اس کے اولیٰ و احسن ہونے اور علت، ضعف اور سقم و عیب سے خالی ہونے کا ذکر، راویوں کی توثیق، دو روایتوں اور راویوں میں باہمی موازنہ، راوی کے شک و وہم اس کے تفرد، مخالفت، عدم متابعت اور سماع و لقاء یا عدم سماع و لقاء کی توضیح اور

[1] المستدرک ج ۱ ص ۱۱۳

بعض حدیثوں کے بارے میں یہ بھی بتایا ہے کہ اس کو کس جگہ، کس وقت اور کس ماہ و سنہ میں انھوں نے روایت کیا ہے، اسی طرح روایات کے شواہد و متابعات، فنی مباحث کے متعلق علمائے جرح و تعدیل کے اقوال، روایات و رواۃ کی صحت و قوت یا ضعف و جرح کو واضح کر کے اس کے دلائل بھی بیان کیے ہیں اور حدیث کے مفہوم وغیرہ کے سلسلے میں بھی مختلف النوع وضاحتیں کی ہیں، جن کو آگے لکھا جائے گا۔

طرز استدلال مستدرک کے محاسن و خصوصیات کا اندازہ اس کے طرز استدلال سے بھی ہوتا ہے، لیکن اکثر دلائل خالص فنی نوعیت کے ہیں، اس لیے جب تک ان کا اصل پس منظر اور پوری تفصیل سامنے نہ ہو ان کو نقل کرنا نہ زیادہ مفید ہوگا اور نہ عام لوگوں کے لیے اس میں دلچسپی کا کوئی سامان ہے، لیکن حاکم کے استدلال کی خصوصیت اور ان کے نقد و نظر کا اندازہ لگانے کیلیے یہاں ان انتقادات کا ذکر کیا جاتا ہے جو انھوں نے شیخین پر کیے ہیں۔

شیخین پر حاکم کے نقد و تبصرے دو طرح کے ہیں، ایک تو وہ جن میں کسی حدیث کے بارہ میں صرف شیخین کی عدم تخریج کا ذکر ہے، دوسرے وہ ہیں جن میں شیخین کے عدم تخریج کے وجوہ و اسباب کا ذکر کرنے کے بعد ان پر تنقید کی گئی ہے، ان میں دوسری نوع کی بعض تنقیدیں یہاں درج کیجاتی ہیں۔ حاکم لکھتے ہیں :-

"یہ حدیث صحیح اور ثقہ محدثین کے یہاں متداول ہے لیکن اُن دونوں بزرگوں نے اس لفظ کے ساتھ اس کی تخریج نہیں کی ہے، میرے خیال میں ان لوگوں نے اس کے راوی بعضان (ابن کاہل (یا کاہن) کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا ہے، کیونکہ ان سے روایت کرنے والے معروف شخص محض حمید بن ہلال عدوی ہیں، لیکن ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ ان سے قرہ بن خالد نے بھی روایت کیا ہے، علاوہ ازیں خود شیخین نے بھی بعض ثقہ لوگوں سے ایسی روایتوں کی تخریج کی ہے جن سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کیا ہے، اس اصول کے بموجب ان دونوں بزرگوں کو اسی جیسی دوسری حدیث کی تخریج بھی کرنی چاہیے تھی"[1]

[1] المستدرک ج ۱ ص ۸

دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

"شیخین اجلح بن عبد اللہ کندی کے ترک اور عدم احتجاج پر متفق ہیں، اور ان کی ناراضگی کی وجہ محض عبد اللہ بن بریدہ کی ایک حدیث ہے حالانکہ اس روایت میں تین ثقہ راویوں نے ان کی متابعت کی ہے، پس یہ حدیث صحیح ہے لیکن ان دونوں بزرگوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے"[1]

امام دارقطنی نے بھی کتاب الالزامات علی الشیخین کے نام سے اسی طرح کی ایک کتاب لکھی تھی، امام حاکمؒ نے اس کے حوالے سے بھی شیخین پر نقد کیا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے :-

"یہ صحیح حدیث ہے اور اس میں کوئی علت نہیں پائی جاتی لیکن شیخین نے اسکی تخریج نہیں کی ہے، کیونکہ عروہ کرز بن علقمہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں، اور کرز بن علقمہؓ صحابی ہیں اور ان کی حدیث ائمہ کے مسانید میں درج ہے، میں نے علی بن عمر سے سنا ہے کہ امام بخاریؒ و مسلمؒ کے لیے کرز کی اس حدیث کی تخریج لازم تھی، کیونکہ اس کو عروہ بن زبیرؓ اور ان سے زہری و عبد الواحد جیسے اکابر نے روایت کیا ہے، امام ابو الحسن کے بیان کی واضح دلیل یہ ہے کہ شیخین عتبانؓ بن مالک کی جنکے گھر میں رسول اللہ صلعم نے نماز پڑھی تھی حدیث پر متفق ہیں، حالانکہ ان سے روایت کرنے والے تنہا محمد بن ربیع ہیں"[2]

حزم و احتیاط امام حاکم کے اصول و شرائط اور بحث و استدلال سے مستدرک کی تالیف میں ان کی احتیاط کا بھی اندازہ ہوتا ہے، انھوں نے وہی احادیث و روایات نقل کرنے کی کوشش کی ہے جو انکے اصول و معیار کے مطابق غیر معلل، ضعف و سقم اور قدح و عیب سے خالی ہیں، اسلیے حدیث نقل کرنے کے بعد عموماً انھوں نے اس کی صراحت بھی کر دی ہے کہ وہ قدح و علت و سقم و عیب سے پاک ہے، لیکن حاکم کا عام رجحان یہ ہے کہ کوئی صحیح اور غیر معلل حدیث چھوٹنے نہ پائے، اس لیے احتیاط کے باوجود

[1] المستدرک ج ۲ ص ۲۰۷، [2] ایضاً ج ۱ ص ۳۰۴

بھی مستدرک میں لینت و مداہنت کو راہ مل گئی ہے، اس پر آگے بحث کی جائے گی۔

احادیث کے متعلق وضاحتیں | امام ابو عبد اللہ حاکم نے احادیث کے بارہ میں مختلف النوع وضاحتیں کی ہیں، ان سے احادیث کے متعلق مفید معلومات فراہم ہوتے ہیں، یہ وضاحتیں مختلف طرح کی ہیں۔

(۱) کسی حدیث کے متداول ہونے یا کسی خاص مقام میں مروج ہونے کا ذکر۔[۱]

(۲) بعض حدیثوں کے کسی خاص مسئلہ میں اصل و بنیاد اور حجت و دلیل ہونے کا ذکر کیا ہے، مثلاً

"یہ نو حدیثیں صحیح سندوں سے ہم نے ذکر کی ہیں، ان سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا جاتا ہے"۔[۲]

"یہ حدیثیں اپنے مشائخ اور علماء کے ساتھ طلبہ کے احترام و تواضع کے ساتھ پیش آنے میں نہایت صریح اور قطعی ناطق ہیں"۔[۳]

"اس حدیث سے کثرت روایت سے احتراز اور ضبط و اتقان کی تاکید ثابت ہوتی ہے"۔[۴]

"اس میں اتباع سنت پر زور دیا گیا ہے، اور اس کی اہمیت و تاکید بھی بیان کی گئی ہے"۔[۵]

"اس حدیث میں اس کی واضح دلیل ہے کہ تراویح کی نماز مسجد میں پڑھنا مسنون ہے"۔[۶]

"یہ حدیث حدیث کی طلب و تحصیل اور محدث کے احترام و توقیر کے بارہ میں اصل ہے"۔[۷]

"اس حدیث میں بلا عذر دو نمازوں کو جمع کرنے کی ممانعت اور توبیخ کے قاعدہ کلیہ کا ذکر ہے"۔[۸]

"یہ حدیث وقت اور حالت کے لحاظ سے خطبہ کے درمیان بھی امام کے کلام کرنے کیلئے اصل ثبوت کا کام دیتی ہے"۔[۸]

"یہ بربنائے ضرورت (درمیان میں) امام کے خطبہ ختم کرکے منبر سے اتر جانے کے بارہ میں اصل ہے"۔[۹]

بعض حدیثوں کے کسی باب میں نقل کرنے کی غرض و غایت بیان کی ہے، جیسے:۔

"یہ حدیث شیخین کے شرائط کے مطابق صحیح ہے، لیکن انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، اور میں نے

---

[۱] المستدرک ج ۱ ص ۱۲۰ [۲] ایضاً ص ۲۳ [۳] ایضاً ص ۱۱۱ [۴] ایضاً ص ۱۱۰ [۵] ایضاً ص ۴۰۴ [۶] ایضاً ص ۱۰۷ [۷] ایضاً ص ۲۰۵ [۸] ایضاً ص ۲۸۵ [۹] ایضاً ص ۲۸۷

اس کو ابو عمار[۱] کی حدیث کے سیاق میں اس بنا پر نقل کیا ہے کہ وہ استحباب پر اور یہ وجوب پر محمول ہو"۔[۲]

کتاب الایمان کی ایک حدیث کے ضمن میں جس میں رسول اللہ صلعم کے بعض معمولات کا ذکر ہے لکھتے ہیں:۔

"یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے مگر انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، اس کو یہاں نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ سب امور ایمان کے اوصاف میں شامل ہیں"۔[۳]

ایک حدیث جس میں حضرت ابو ہریرۃؓ کے منبر پر چڑھ کر یہ کہنے کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ویل للعرب من شر قد اقترب الخ کا مقصد یہ بتایا ہے کہ

"یہ صحیحین کی شرط کے مطابق ہے لیکن انھوں نے اس کی اس طور پر تخریج نہیں کی ہے اور میرا مقصد یہ دکھانا نہیں ہے کہ یہ فقرہ آنحضور سے صحیح و ثابت ہے، کیونکہ اس کی تخریج تو صحیحین میں بھی کی گئی ہے، بلکہ میرا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ امام کے خروج سے پہلے منبر پر حدیث بیان کرنا مستحب ہے"۔[۴]

بعض حدیثوں کی حاکم نے اپنے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے خاص اہمیت اور ضرورت واضح کی ہے، مثلاً احتکار کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

"عسرت اور تنگی کے موقع پر مسلمانوں کی مواسات سے احتراز کے زجر و توبیخ کے بارہ میں جو اخبار و احادیث وارد ہیں، ان کا یہاں ذکر بہت ضروری ہے، کیونکہ اس وقت مسلمان ان ہی حالات سے دوچار ہیں"۔[۵]

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:۔

"یہ کچھ حدیثیں نہایت تلاش و جستجو کے بعد یہاں نقل کی گئی ہیں، گو یہ ہماری اس کتاب کی شرط

---

[۱] یہ سہو کتابت ہے۔ اس حدیث کے سیاق و سباق میں حضرت عبد اللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثیں درج ہیں [۲] المستدرک ج ۱ ص ۱۰۱ [۳] ایضاً ج ۱ ص ۱۰ [۴] ایضاً ص ۱۰۸ [۵] ایضاً ج ۲ ص ۱۱

کے موافق نہیں ہیں، تاہم چونکہ لوگ اس ضیق میں مبتلا ہیں (اللہ تعالیٰ اس کو ختم کر دے)
اس لیے یہاں ہم نے ان کو نقل کر دیا ہے۔[1]"

امام ابو عبداللہ نے کہیں کہیں ابواب کے شروع یا درمیان میں نوٹ لکھے ہیں جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں، مثلاً فضائلِ صحابہ کے ابواب کے شروع میں لکھتے ہیں:۔

"ہم نے صحابہ کے ذکر میں پہلے ان کے نسب و وفات کا ذکر کیا ہے، پھر ان کے مناقب میں وہ حدیثیں درج کی ہیں جو شیخین کی شرطوں کے مطابق ہیں، لیکن انھوں نے انکی تخریج نہیں کی تھی، ہم کو اعتراف ہے کہ ہم اس باب میں محمد بن عمرو اقدی اور ان کے جیسے لوگوں کی روایات سے صرف نظر نہیں کر سکے ہیں۔[2]"

مستدرک کی ایک خاص اور اہم بحث

اصحاب صفہ کے بیان میں حاکم نے ان کے متعلق روایات کی مدد سے ان کے ناموں کی مفصل فہرست دی ہے، ان کے طبقات وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اور ان کے اشغال و معمولات اور امتیازی خصوصیات کے سلسلے میں ان سے اصحاب تصوف کے پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے، یہ بحث دلچسپ اور لائق مطالعہ ہے، اس لیے اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

"اصحاب صفہ سے متعلق حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ورع، توکل علی اللہ اور اللہ و رسول کی خدمت و اطاعت کو اپنے اوپر لازم قرار دینے والے اکابر صحابہ تھے، فقر و مسکنت، تضرع و ابتہال، عبادات اور ترک دنیا وغیرہ ان کی اصلی اور امتیازی خصوصیت تھی، حضرات صوفیہ کا اسی جماعت سے تعلق ہے، جو شخص ان کی تقلید میں دنیا سے بے تعلقی، فقر سے رغبت اور سوال و گداگری سے پرہیز کرے وہ اپنے زمانہ کا مقتدیٰ اور متوکل علی اللہ ہے، اور اس کا تعلق اصحاب صفہ سے ہے، شیخ المتصوفین سہل بن عبداللہ

[1] المستدرک ج ۲ ص ۱۳ [2] ایضاً ج ۳ ص ۶۱

سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا میں سات قسم کے لوگ تھے، (۱) ملوک و سلاطین (۲) زراعت پیشہ (۳) مویشی چرانے والے (۴) تجارت پیشہ (۵) صنعت پیشہ (۶) مزدور و اجیر (۷) ضعفاء و فقراء۔

رسول اللہ صلعم نے ان میں سے کسی جماعت کو اپنا پیشہ چھوڑنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ ان پیشوں میں رہ کر علم و یقین، تقویٰ اور توکل علی اللہ کی دعوت دی، پس عقلمند کو اللہ کے سوا کسی اور سے امیدیں وابستہ نہیں رکھنی چاہئیں اور نہ یہ وہم پیدا ہونے دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے نفس کے حوالہ کرے گا، اور اپنے سوا کسی اور کو اس کا ذمہ دار بنائے گا۔"

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کے جو اوصاف و خصائل بتائے ہیں وہ جن لوگوں میں بھی پائے جائیں وہ صوفی کہلانے کے مستحق ہیں، ابن سماک کا بیان ہے: کہ عیاض بن سلیمان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ملاء اعلیٰ نے مجھے بتایا کہ میری امت میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اللہ کی وسیع رحمتوں میں مگن اور اس کے عذاب کی شدت کے خوف سے چھپکر روتے ہیں، اپنے خدا کو صبح و شام مسجدوں میں یاد کرتے، رغبت و رہبت کے ساتھ اس کو پکارتے ہیں، اور اس سے ہاتھ اٹھا کر سوال و دعا کرتے ہیں، اپنے دلوں کو اس کی جانب مائل رکھتے ہیں، لوگوں پر بار بننے کے بجائے خود اپنا بار اٹھاتے ہیں، وقار و متانت کے ساتھ چلتے اور اللہ کا وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں، قرآن کی تلاوت اور ایثار و قناعت سے ان کو شغف ہوتا ہے، اور وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنتے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی جانب سے محافظ اور نگراں مقرر ہوتے ہیں، یہ لوگوں کو اپنی فراست ایمانی سے تاڑ جاتے ہیں، ان کی روحیں دنیا میں اور قلوب آخرت میں معلق ہوتے ہیں، انہ دنیا کی

ان کو طلب ہوتی ہے اور نہ اپنے سوا کسی اور کی فکر، وہ اپنی قبروں، پل صراط پر گذرنے اور عالم آخرت کے لیے ساز و سامان مہیا کرتے ہیں، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ذٰلک لمن خاف مقامی وخاف وعید" (ابراہیم - ۲)

پس ہمارے زمانہ کے جن صوفیہ کو اس کی توفیق میسر آجائے وہ بھی انہی لوگوں کی راہ ہدایت پر گامزن سمجھے جائیں گے، یہ صحیح ہے کہ ہر جماعت کی طرح صوفیہ میں بھی اخیار و اشرار دونوں طرح کے لوگ ہیں، لیکن جو لوگ صوفیہ پر نکتہ چینی کرتے ہیں، اگر ان کو اسلام میں اصحاب صفہ کا درجہ، مقام اور رسول اللہ صلعم سے ان کی قربت و تعلق کا حال معلوم ہو جائے تو وہ نکتہ چینی کرنے سے باز آجائیں ....

اہل صفہ کے کئی طبقے ہیں، ان میں سے بعض کو ہجرت میں تقدم کا شرف حاصل ہے، جیسے عمار ابن یاسر، سلمان، بلال، صہیب اور مقداد وغیرہ رضی اللہ عنہم، بعض نے بعد میں ہجرت کی، لیکن انھوں نے بھی سابق الہجرۃ اصحاب صفہ کے ساتھ مسجد نبوی میں قیام کیا تھا، اور بعض لوگ فتح مکہ کے سال اسلام لانے کے بعد اس زمرہ میں شامل ہوئے، یہ لوگ بھی مدینہ میں اہل و عیال اور مال و اسباب کے بغیر آئے تھے، اور اسی جماعت میں شامل تھے، رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے لا ہجرۃ بعد الفتح ولکن جہاد و نیۃ۔

مجھکو اللہ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ جو شخص بھی توکل اور خوف آخرت وغیرہ کے سلسلہ میں اصحاب صفہ کے طریقہ کو اختیار کرے گا وہ ان کے ساتھ ہوگا، اور اس کا حشر بھی ان ہی لوگوں میں ہوگا، اور جو شخص ان سے محبت کریگا، اس کے بارہ میں بھی مجھکو یہی امید ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کسی قوم سے محبت کریگا اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔[1]

[1] المستدرک کتاب الہجرۃ ج ۳ ص ۱۶ تا ۱۸

مستدرک کی تلخیصات

جن علماء نے مستدرک کے ساتھ اعتناء کیا ہے، ان میں علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) کا نام زیادہ مشہور ہے، انھوں نے مستدرک کی تلخیص لکھی جو بہت مشہور ہے، اس کی اہمیت کا اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خود ان کی اور بعض دیگر علماء کی رائے میں اس کو دیکھے بغیر مستدرک کی تصحیح پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس میں ذہبی نے طویل حدیثوں اور اسناد کا اختصار ہی نہیں کیا ہے، بلکہ جا بجا حاکم پر نقد و تعقب بھی کر کے احادیث کی تصحیح میں ان کے تساہل، روایتوں کے ضعف و نکارت اور وضع نیز راویوں کے جرح و سقم وغیرہ کو بھی واضح کیا ہے،

علامہ ذہبی نے اپنی تلخیص میں بعض مواقع پر حاکم کے استدراک کی توثیق و تائید اور بعض مواقع پر سکوت اختیار کیا ہے، یہ بھی حاکم کی رائے سے اتفاق ہی ہے، رہا ان کا نقد و تعقب تو اس کی مختلف نوعیتیں ہیں:-

(الف) حاکم نے کسی حدیث کو شیخین یا ان میں سے کسی ایک کے شرائط کے مطابق بتایا ہے، اور ذہبی نے اس کی تردید کی ہے،

(ب) حاکم نے کسی حدیث کو دونوں بزرگوں کے شرائط کے مطابق قرار دیا ہے، لیکن ذہبی کی تحقیق میں وہ صرف ایک ہی کی شرط کے مطابق ہے،

(س) حاکم نے احادیث کی صحت اور رجال و اسناد کی قوت کا ذکر کیا ہے اور ذہبی نے انکا ضعف و وضع، جرح و قدح اور سقم و نکارت ثابت کیا ہے،

اس میں شبہ نہیں کہ ذہبی نے بڑی دقت نظر سے مستدرک کی تلخیص کی تھی اور ان کے نقد و تعقب کا زیادہ حصہ صحیح ہے، لیکن کہیں کہیں اس میں بھی فروگذاشتیں ہیں، مثلاً

کسوف کے بیان میں ایک حدیث نقل کرنے کے بعد حاکم نے صرف اسقدر لکھا ہے کہ "لم یخرجاہ" یعنی شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، ذہبی نے اس پر یہ تنقید کی ہے،

واسنادہ حسن وما هو علی شرط واحد منهما[1] — اس کے اسناد حسن ہیں لیکن وہ شیخین میں سے کسی کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔

حالانکہ حاکم نے یہاں سرے سے حدیث کے شیخین کے شرط کے مطابق ہونے کا ذکر ہی نہیں کیا ہے بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی تھی، اس بنا پر ذہبی کا یہ نقد صحیح نہیں ہے۔

مستدرک اور تلخیص کے مصححین نے بھی علامہ ذہبی کے نقد پر تعقب کیا ہے، مثلاً ایک جگہ حاکم نے ایک حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے، اس پر نقد کرتے ہوئے ذہبی نے لکھا ہے:-

عبد الرحمٰن لم یسمع من ابیه وعبد الرحمٰن ومن بعده لیسوا بحجة — عبد الرحمٰن نے اپنے والد سے سماع نہیں کیا تھا اور عبد الرحمٰن اور ان کے مابعد کے راوی حجت نہیں ہیں۔

مصحح لکھتے ہیں:-

"تقریب التہذیب میں عبد الرحمٰن کو ثقہ اور صغار تابعین میں بتایا گیا ہے، ان کا انتقال ۷۹ھ میں ہوا تھا، انھوں نے اپنے والد سے سماع کیا ہے لیکن بہت کم، اسی طرح عبد الرحمٰن کے صاحبزادے قاسم کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ ثقہ وعابد اور طبقہ رابعہ میں ہیں پس ذہبی کا ان لوگوں کو مطلقاً عدم حجت قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔"[2]

ذہبی ایک جگہ ایک راوی ابو الصہبار کے متعلق لکھتے ہیں کہ "صحیح بخاری میں ان سے روایت نہیں کی گئی ہے، گو واقعہ کے لحاظ سے یہ بات درست ہو لیکن علامہ ذہبی کا منشاء حاکم پر نقد اور راوی کو ضعیف قرار دینا ہے، جو صحیح نہیں ہے، تقریب ہی کے حوالہ سے مصحح لکھتے ہیں کہ وہ طبقہ رابعہ اور مقبول رواۃ میں ہیں۔[3]

۱؎ المستدرک ۔ ۔ ۔ ۔ ج ۱ ص ۳۲۵ ۲؎ المستدرک مع تلخیص ج ۱ ص ۵۰۹ ۳؎ ایضاً ص ۵۲۵

بعض مقامات پر اصل اور تلخیص میں معمولی فرق بھی ہے، مثلاً روزے کے بیان میں حاکم نے ایک حدیث میں صرف "وابتلت العروق" لکھا تھا، مگر ذہبی نے اس کو تلخیص میں "وابتلت العروق بالماء" لکھا ہے[1] ایک اور جگہ حاکم نے "اغار" لکھا تھا، ذہبی نے اس کو "اغان" کر دیا ہے[2]، ایک جگہ حاکم نے "ثنا یعقوب بن ابراہیم" لکھا ہے، ذہبی نے اس کو بدل کر "رواہ یعقوب الدورقی" کر دیا ہے[3]، گو یعقوب بن ابراہیم اور یعقوب دورقی ایک ہی شخص ہیں لیکن اس تصرف سے اشتباہ ہو سکتا ہے، دوسرے ذہبی نے "ثنا" کو جو خود مختصر تھا "رواہ" کر دیا ہے۔

مستدرک کی یہ تلخیص بھی اس کے ساتھ چار ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے توضیح المستدرک فی تصحیح المستدرک لکھی تھی جو ایک جلد میں ناتمام ہے، اس میں بھی حدیثوں کی تلخیص ہے[4]۔

مستدرک کی موضوع حدیثوں کو بھی ایک جزء میں جمع کیا گیا تھا، جو تقریباً ایک سو حدیثوں پر مشتمل ہے[5]، بعض لوگوں نے اس کو بھی ذہبی کی تصنیف بتایا ہے۔

مستدرک کے قلمی نسخے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں، دائرۃ المعارف حیدر آباد نے جس کے اسلامی علوم و فنون کی خدمت اور علمائے اسلام کی بیش قیمت اور کمیاب کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں کارنامے اظہر من الشمس ہیں، اس شہرۂ آفاق کتاب کو بھی اس کے کئی مخطوطات کی مدد سے چار ضخیم جلدوں میں شائع کیا تھا، پہلی جلد ۱۳۳۴ھ اور باقی جلدیں بالترتیب ۱۳۴۰ھ تا ۱۳۴۲ھ میں - - - - - - - - - تصحیح کے بعد شائع ہوئی ہیں۔

فاضل مصححین نے مستدرک اور تلخیص پر کہیں کہیں مختصر مگر مفید نوٹ لکھے ہیں، مستدرک کی اشاعت کے بعد دار المصنفین کے سابق رفیق اور مشہور صاحب علم و نظر مولانا ابو الجلال ندوی نے

۱؎ المستدرک مع تلخیص ج ۱ ص ۴۲۲ ۲؎ ایضاً ج ۲ ص ۳ ۳؎ ایضاً ج ۱ ص ۵۱۱ ۴؎ و ۵؎ کشف الظنون ج ۲ ص ۴۲

اس پر ایک مبسوط مقالہ لکھا تھا، اس میں مستدرک کے ناشرین کو بعض مشورے دیے تھے، اسکے جواب میں دائرۃ المعارف کے رکن مولانا ہاشم ندوی کا مضمون بھی اسی زمانہ میں چھپا تھا،[1]

صحیح مستدرک و حاکم پر بعض اعتراضات کا جائزہ

حاکم اور انکی مستدرک پر چند اعتراضات بھی کیے گئے ہیں، ان میں سے بعض تو غلط ہیں اور بعض اگرچہ غلط نہیں ہیں تاہم بحث و تنقیح طلب ضرور ہیں، اسلیے مستدرک کی اہمیت و خصوصیت بیان کرنے کے بعد ان کا جائزہ لینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے،

امام حاکم اور انکی مستدرک پر سب سے مشہور الزام تساہل کا ہے، اس سلسلے میں چند اور ضمنی الزامات بھی عائد کیے گئے ہیں، گو انکا اصل تعلق بھی تساہل ہی سے ہے لیکن ان پر علیحدہ علیحدہ اور مستقلاً گفتگو کرنا زیادہ مفید اور مناسب ہوگا۔

مستدرک اور صحیحین

پہلے گذر چکا ہے کہ مستدرک کی تالیف کا مقصد صحیحین کی ان متروک حدیثوں کو جمع و مدون کرنا ہے، جو حاکم کے خیال میں ان کی شرطوں کے مطابق صحیح ہونے کے باوجود ان میں شامل نہیں کی گئیں، اس سلسلہ میں بحث طلب امر یہ ہے کہ حاکم نے جن حدیثوں کے صحیحین کی شرطوں کے مطابق صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ واقع میں صحیح ہیں یا نہیں،

(۱) ابو سعید المالینی کا بیان ہے کہ "میں نے مستدرک کا مطالعہ کیا تو مجھکو اسکی ایک حدیث بھی شیخین کے شرائط کے مطابق نہیں ملی"۔[2]

(۲) دوسرے علمائے فن کے نزدیک مستدرک کی تمام حدیثیں تو نہیں لیکن متعدد ایسی ضرور ہیں جن کے متعلق حاکم کا یہ دعویٰ خلاف واقعہ ہے کہ وہ شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں، ابراہیم بن محمد ارموی کا یہ بیان اکثر کتابوں میں مذکور ہے کہ:

"ابو عبد اللہ حاکم نے مستدرک میں بہت سی ایسی حدیثیں جمع کی ہیں جن کے بارہ میں گو ان کا خیال ہے کہ وہ شیخین کی حدیثوں کی طرح صحیح ہیں، جیسے من کنت مولاہ الخ[3]

---

[1] پہلا مضمون معارف کے جولائی واگست ۱۹۲۶ء کے اور دوسرا نومبر و دسمبر ۱۹۲۶ء کے شماروں میں شائع ہوا تھا۔ [2] طبقات الشافعیہ ج سوم ص ۶۹ و بستان المحدثین ص ۴۲

اور حدیث طیر وغیرہ لیکن علمائے کبار نے اس سلسلہ میں حاکم کو غلط ٹھہرایا ہے اور ان پر سخت نکیر کی ہے"۔[1]

پہلی رائے کو عام طور پر حقیقت سے بعید اور زیادتی پر محمول کیا گیا ہے، علامہ ذہبی نے اس کی نہایت پرزور تردید کی ہے، ان کی تردید اس لیے زیادہ قابل لحاظ ہے کہ انھوں نے مستدرک کا دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے، اور اس کی تلخیص لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں:-

"مستدرک کے متعلق المالینی کی رائے سراسر زیادتی، صریح ناانصافی اور سخت غلو پر مبنی ہے، انصاف کی بات یہ ہے کہ مستدرک کا تقریباً نصف حصہ ایسی حدیثوں پر مشتمل ہے جو شیخین یا کسی ایک بزرگ کے شرائط کے مطابق ہے، البتہ اسکے چوتھائی حصہ میں ایسی حدیثیں ہیں جن کے اسناد تو بظاہر صحیح ہیں لیکن وہ شیخین کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں، بقیہ چوتھائی حصے میں ضعیف و منکر بلکہ موضوع حدیثیں بھی شامل ہیں، میں نے اپنی تلخیص میں ان کی تصریح و تنبیہ کی ہے"۔[2]

اس بیان سے دوسری رائے رکھنے والوں کی تائید ہوتی ہے، یعنی مستدرک کی بعض حدیثوں کے بارہ میں حاکم کا دعویٰ صحیح نہیں ہے لیکن اکثر کے متعلق صحیح ہے،

اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بہت مناسب اور حقیقت پسندانہ توجیہ کی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

"حاکم نے صحیحین پر مستدرک لکھا ہے، اس کی حدیثوں کے بارہ میں وہ کہتے ہیں کہ یہ شیخین کی شرطوں کے مطابق ہیں، لیکن انھوں نے ان کی تخریج نہیں کی ہے، میں نے جب مستدرک کا تتبع اور چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ ایک حیثیت سے حاکم کا بیان صحیح ہے، لیکن دوسری

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۶۹ و بستان المحدثین ص ۴۲ [2] ایضاً

حیثیت سے صحیح نہیں ہے، اس کی تفصیل و توجیہ یہ ہے:

مستدرک میں ایسی حدیثیں ہیں جو شیخین کے رجال و اسناد اور ان کی شرائط صحت و اتصال کے مطابق ہیں، پس اس پہلو سے حاکم کا شیخین پر استدراک صحیح ہے، لیکن دوسرے پہلو سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ شیخین اسی حدیث کا ذکر کرتے ہیں جن کی صحت پر ان کے شیوخ نے نقد و جرح کرکے اجماع کر لیا ہو، امام مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی صحیح میں وہی حدیثیں لکھی ہیں جن کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے، لیکن مستدرک کی اکثر متفرد حدیثیں ایسی ہیں جو شیخین کے زمانہ کے شیوخ اور محدثین پر مخفی اور مستور رہ گئی تھیں، گو بعد میں ان کی شہرت ہو گئی ہو یا ایسی حدیثیں ہیں جن کے رجال کے بارہ میں محدثین نے اختلاف کیا ہے، کیونکہ شیخین محض قاعدہ و اصول سے حدیث کی صحت تسلیم نہیں کرتے بلکہ اپنے شیوخ کی طرح احادیث کے وصل و انقطاع وغیرہ کی باقاعدہ بحث و تحقیق کرتے ہیں، اور اس میں انھوں نے اس قدر شدت برتی ہے کہ صحت و استناد کا مسئلہ پوری طرح ظاہر ہو گیا ہے، اس کے برخلاف امام حاکم کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ صرف محدثین کے عام قواعد و ضوابط پر اعتماد کرکے حدیثوں کو صحیح قرار دیدیتے ہیں، مثلاً یہ قاعدہ کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے، یا جب اہل فن وصل و ارسال یا وقف و رفع میں مختلف الرائے ہوں تو اس راوی کا قول حجت مانا جائے گا جس کے بیان میں اضافہ ہو اور اس نے اس کو یاد رکھا ہو، یہ حقیقت ہے کہ محدثین کے یہاں احادیث کی تصحیح اور جانچ کے اس معیار کی بنا پر خرابی اور خلل پیدا ہوئے اور اسی حیثیت سے شیخین اور حاکم کے یہاں فرق پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم[1]

علامہ زیلعی حنفی کا بھی ایک بصیرت افروز بیان اس سلسلہ میں قابل غور ہے، وہ جہر بالبسملہ کی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۶، ۱۰۰

حدیثوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"کسی شخص کے بارہ میں مجرد کلام سے اس کی حدیث کو ساقط نہیں قرار دیا جا سکتا، کیونکہ اس طرح تو سنت و حدیث کا بیشتر سرمایہ ہی متروک ہو جائے گا، اس لیے کہ جرح و کلام سے اس شخص کے علاوہ جس کو خود اللہ نے معصوم و محفوظ بنا دیا ہو، کوئی شخص بھی محفوظ نہیں ہے، صحیحین تک میں ایسے لوگوں کی روایتوں کی تخریج کی گئی ہے جن پر کلام کیا گیا ہے، جیسے جعفر بن سلیمان ضبعی، حارث بن عبد الایادی، ایمن بن نابل حبشی، خالد بن مخلد قطوانی، سوید بن سعید حدثانی اور یونس بن اسحٰق سبیعی وغیرہ، لیکن شیخین نے ایسے متکلم فیہ لوگوں کی ان ہی روایات کی تخریج کی ہے جن کی متابعت کی گئی ہے اور جن کے شواہد ظاہر و باہر ہیں، اور جن کی اصل معروف و معلوم ہے۔ لیکن اس طرح کے راویوں کے تفرد کو نہیں بیان کیا اور قبول کیا ہے، خصوصاً ایسے مواقع پر جہاں ان راویوں نے ثقات کی مخالفت کی ہے، جیسے امام مسلم نے ابو اویس کی حدیث "قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی" کی اس لیے تخریج کی ہے کہ وہ اسکو بیان کرنے میں متفرد نہیں ہیں بلکہ دوسرے ثقہ و ثابت رواۃ مالک، شعبہ اور ابن عیینہ نے بھی اس کو بیان کیا ہے، اس لیے یہ حدیث متابع ہو گئی ہے ... صحیحین پر استدراک کرنے والوں کے یہاں [illegible] اگئی ہے، اس لیے ان کے استدراک میں تساہل پایا جاتا ہے، ان لوگوں میں سب سے زیادہ تساہل ابو عبد اللہ حاکم نے مستدرک میں کیا ہے، وہ جن حدیثوں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ شیخین کی یا ان میں کسی ایک کی شرط کے مطابق ہیں، ان میں یہ علت موجود ہوتی ہے، صحیحین میں کسی راوی کی روایت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ راوی جس حدیث میں بھی پایا جائے وہ حدیث

صحیحین کی شرط کے مطابق ہو جائے گی، حاکم عموماً ایسی حدیث بھی نقل کرتے ہیں جسکے بعض یا اکثر رواۃ کی وجہ سے صحیحین میں اس کی تخریج نہیں کی گئی ہے، اب اگر اس طرح کی کوئی حدیث حضرت عکرمہ سے مروی ہو اور انھوں نے اس کو حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا ہو تو محض اس بنا پر کہ شیخین نے بھی عکرمہ سے ابن عباسؓ کے مرویات کی تخریج کی ہے، اس لیے اس کو بھی صحیحین کے شرائط کے مطابق قرار دے دیا جائے، تو یہ سراسر تساہل ہے، اسی طرح وہ ایسی حدیث بھی نقل کرتے ہیں، جس کے بعض رجال بخاری کے اور بعض مسلم کے ہوتے ہیں، اور وہ ان کو شیخین کے شرائط کے مطابق قرار دے دیتے ہیں، جو تساہل ہے، یا کبھی ایسی حدیث بیان کرتے ہیں جس میں کوئی ایسا راوی ہوتا ہے جس سے شیخین نے اس کی وہ روایت لی ہے جس کو اس نے اپنے کسی خاص استاذ اور متعین شیخ سے سنا ہے، کیونکہ اس راوی کا اپنے خاص استاذ سے زیادہ اہم تعلق ہوتا ہے، اور وہ انکی حدیث کے حفظ و ضبط میں مشہور ہوتا ہے، لیکن وہی راوی جب اپنے دوسرے شیخ سے کوئی روایت کرتا ہے تو اس کی شیخین تخریج نہیں کرتے، کیونکہ اس شیخ سے روایت کرنے میں وہ ضعیف یا غیر ضابط یا غیر مشہور یا اسی قسم کی کوئی اور وجہ مانع ہوتی ہے، لیکن حاکم نے اس راوی کی ایسی حدیثیں بھی جن کو اس نے اپنے مخصوص و متعین شیخ کے بجائے کسی اور شیخ سے بیان کیا ہے، تخریج کی ہے اور کہا ہے کہ روایت شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہے، یہ بھی ان کے تساہل ہی کا نتیجہ ہے، کیونکہ شیخین اس راوی پر صرف اس صورت میں اعتماد کرتے ہیں جب اس نے حدیث کو اپنے مخصوص و

متعین شیخ سے روایت کیا ہو، مگر جب وہ اپنے دوسرے شیوخ سے روایت کرتا ہے تو اس پر اعتماد نہیں کرتے، مثلاً انھوں نے خالد بن مخلد قطوانی کی ایک حدیث کی جس کو انھوں نے سلیمان بن بلال سے روایت کیا ہے، تخریج کی ہے، لیکن ان کی اس روایت کی تخریج نہیں کی ہے، جس کو انھوں نے عبداللہ ابن مثنی کے واسطہ سے روایت کیا ہے، کیونکہ خالد، ابن مثنی سے روایت کرنے میں معروف نہیں ہیں، ایسی صورت میں اگر کوئی شخص خالد کی اس روایت کے بارہ میں جو وہ ابن مثنی سے بیان کریں یہ کہے کہ وہ شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہے تو یقیناً متساہل کہا جائے گا، اسی طرح حاکم ایسی حدیث بھی بیان کرتے ہیں جس کے اسناد میں کوئی راوی ضعف یا کذب سے متہم ہوتا ہے مگر اس کے اکثر رجال صحیح و قوی ہوتے ہیں، اس کے باوجود وہ اس کے متعلق بھی کہہ دیتے ہیں کہ وہ شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہے، یہ بھی سخت قسم کا تساہل ہے، جو شخص مستدرک کا بغور مطالعہ کرے گا اس پر یہ سب باتیں جو ہم نے بیان کی ہیں، خود منکشف ہو جائیں گی"[1]

(باقی)

---

[1] نصب الرایہ ج ۱ ص ۲ ۳۴۴ طبع جدید.

آٹھویں صدی ہجری میں اسلامی علوم وفنون کا ارتقاء

(ایک اجمالی جائزہ)

از حافظ محمد نعیم ندوی صدیقی، رفیق دارالمصنفین

دولت عباسیہ کا زوال تاریخ اسلام کا ایک عظیم حادثہ شمار کیا جاتا ہے لیکن اسی خون صد ہزار انجم سے اسلام کی سحر تازہ نمودار ہوئی یعنی دنیائے اسلام کو مختلف حیثیتوں سے عروج واقبال نصیب ہوا، عباسیوں کی بساطِ سیاست الٹنے کے بعد دیلمی، سلجوقی، غزنوی اور ایوبی وغیرہ نئی نئی حکومتوں نے اس اجڑی مجلس کو دوبارہ آراستہ کیا، یہ صحیح ہے کہ عباسیوں کا زمانہ علوم وفنون کی ترقی اور علماء کی سرپرستی کے اعتبار سے عہد زریں تھا لیکن اس کے بعد بھی یہ ذوق برابر ترقی پذیر رہا، چنانچہ مصر کے عباسی خلفاء اور ممالیک کے زمانہ میں علماء و مصنفین کی کثرت نے بغداد کے عہد روشن کی یاد تازہ کردی، ترکوں نے اپنے سوا چار سو سالہ دور حکومت میں تمام دنیا کو خیر و برکت اور علوم وفنون سے معمور کر دیا تھا، یہ تاریخی حقیقت ہے کہ آٹھ نو سو برس تک مسلمان ہر فن میں یورپ کے استاد بنے رہے، ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ) اندلس ہی کے معدن علم کا لعل گرانمایہ تھا، جس کی تحقیقات سے یورپ نے بڑا فائدہ اٹھایا، ابن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) نے اپنا شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ لکھکر یورپ کو فلسفۂ تاریخ اور اسکے اصول سکھائے۔ اندلس میں عبد الرحمن اور اس کے جانشینوں نے اہل علم کی قدردانی کرکے عربی زبان کو فلسفہ سے مالا مال کیا، یہاں تک کہ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں سارا

عالم اسلامی علوم کے غلغلہ سے گونج رہا تھا، علوم وفنون کی گرم بازاری، ابداع و اختراع، نکتہ آفرینی اور ذہنی ثقافت کے جیسے مظاہر اس عہد میں سامنے آئے، اس کی نظیر پہلے کی صدیوں میں شاید ہی مل سکے، علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، امام زیلعی، ابن رجب، ابن اثیر، ابو الفداء، تفتازانی، صدر الشریعۃ، ابن بطوطہ اور ابن خلدون وغیرہ جیسے یگانۂ روزگار ائمہ اسی عہد کی پیداوار ہیں، تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں بے بہا کتابیں تصنیف کی گئیں۔

اس دور کی اہمیت کے پیش نظر علماء نے آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے مشاہیر علم وفن کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنۃ چار جلدوں میں لکھی، جس میں ۵۲۰۴ علماء واہل کمال کے تراجم ہیں، علامہ شوکانی نے البدر الطالع میں ۵۹۷، اور حافظ سیوطی نے "نظم العقیان فی اعیان الاعیان" میں ۲۰۰ فضلاء کی علمی کوششوں کی داستان بیان کی ہے۔ ان سب سے زیادہ وقیع تصنیف علامہ سخاوی کی الضوء اللامع ہے، جو بارہ جلدوں میں ہے جسمیں نویں صدی ہجری کے گیارہ ہزار سات سو بتیس علماء کے سوانح وعلمی کارنامے ہیں، اس کے مطالعہ سے جہاں سخاوی کی وسعت نظر اور کد وکاوش کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، وہیں اس عہد کی علمی ترقیوں کی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔

ان دونوں صدیوں کے اہل علم اور ان کی تصانیف کا استقصار اور احاطہ کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے، ذیل میں صرف آٹھویں صدی بالخصوص اس کے عہد اواخر کی علمی ترقیوں کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے، کیونکہ اس نصف صدی میں اسلامی کتبخانہ میں بیش بہا امہات الکتب کا اضافہ ہوا ہے،

اس عہد میں غالباً سب سے زیادہ کتابیں فن حدیث وتفسیر میں تصنیف کی گئیں جس کی

تفصیل یہ ہے :-

تفسیر ۱۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل۔ امام علی بن محمد خازن بغدادی (المتوفی ۷۴۱ھ) یہ عام طور سے تفسیر خازن کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا سنہ تالیف ۷۲۵ھ ہے، مؤلف نے لکھا ہے کہ "امام بغوی کی معالم التنزیل اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے، لیکن طوالت کی وجہ سے ہر خاص وعام اس سے استفادہ نہیں کرسکتا تھا، اس لیے میں نے اس سے اخذ و استفادہ کیا اور مختلف تفسیروں سے بہت سے اہم فوائد کا اضافہ کیا"۔ یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے، اس کے حاشیہ پر امام نسفی کی مدارک التنزیل ہے، مصر کے مختلف مطبعوں سے اس کے متعدد اڈیشن شائع ہوچکے ہیں،

۲۔ التاویل لمعالم التنزیل۔ شیخ علی بن محمد الشیخی الحلبی (المتوفی ۷۴۱ھ)، اس تفسیر کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے کہ "ھو تفسیر کبیر"۔

۳۔ فتوح الغیب حاشیہ کشاف۔ علامہ طیبی (المتوفی ۷۴۳ھ)، الکشاف عن حقائق التنزیل علامہ زمخشری کی مشہور تصنیف ہے، اس کے حواشی اور شروح بکثرت لکھے گئے ہیں، ان میں علامہ شرف الدین حسن بن محمد الطیبی کے اس حاشیہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، یہ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ بقول خلیفہ چلپی "علامہ طیبی نے اس تالیف میں بے انتہا کدوکاوش، نکتہ آفرینی، اور دقیقہ سنجی کا ثبوت دیا ہے"، مؤلف کا بیان ہے کہ اس کتاب کا نام فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ منامی پر رکھا گیا ہے۔ امام زمخشری چونکہ اعتزال کی طرف مائل تھے، اس لیے علامہ طیبی نے اپنے اس حاشیہ میں ان کے بعض معتقدات پر شدید نقد کیا ہے۔

۴۔ البحر المحیط۔ ابن حیان اندلسی (متوفی ۷۴۵ھ) آٹھ جلدوں پر مشتمل قرآن

کی بہت مشہور ومتداول تفسیر ہے، مؤلف نے اس میں کشاف اور ابن عطیہ سے استفادہ کیا ہے، مگر قابل اعتراض مقامات پر زمخشری کے استدلالات کی تردید اور صحیح توجیہات کی ہیں، ابن حیان نے النهر الماد من البحر کے نام سے دو جلدوں میں اس کی تلخیص کی ہے جو اصل تفسیر کے حاشیہ پر ہے، البحر المحیط سب سے پہلے ۱۳۲۸ھ میں مطبع سعادہ مصر سے شائع ہوئی۔

۵۔ الدر اللقیط۔ ابن مکتوم (المتوفی ۷۴۷ھ)، یہ مذکورۃ الصدر تفسیر البحر المحیط کی تلخیص ہے۔

۶۔ تبیان فی تفسیر القرآن۔ خضر بن عبد الرحمن الازدی (المتوفی ۷۷۳ھ)

۷۔ تبیان فی اقسام القرآن۔ علامہ ابن قیم (المتوفی ۷۵۱ھ)

۸۔ حواشی کشاف۔ کشاف کے مذکورۂ بالا حاشیہ کے علاوہ اس دور میں چند اور علماء نے بھی اس کے حواشی لکھے، جن میں علامہ عمر قزوینی (المتوفی ۷۴۵ھ) علامہ فاضل یمنی (المتوفی ۷۵۰ھ) محمد بن محمد الرازی (المتوفی ۷۶۶ھ)، محمد بن محمد اقسرائی (المتوفی ۷۷۶ھ)، محمود بن محمد بابرتی (المتوفی ۷۸۶ھ) اور علی بن محمد قوشجی (المتوفی ۸۷۹ھ) کے اسمائے گرامی شامل ہیں،

۹۔ ملاک التاویل فی فنون التفسیر۔ شیخ ابوجعفر ثقفی (المتوفی ۷۰۸ھ)

۱۰۔ کشف الاسرار وعدۃ الابرار۔ علامہ سعد الدین تفتازانی (المتوفی ۷۹۲ھ) یہ تفسیر فارسی میں ہے،

۱۱۔ البرہان فی علوم القرآن۔ محمد بن عبد اللہ زرکشی (المتوفی ۷۹۴ھ) اسی تفسیر کو اساس بناکر علامہ سیوطی نے اپنی زندہ جاوید تصنیف الاتقان لکھی ہے۔ درحقیقت الاتقان کی اشاعت ہی کی وجہ سے البرہان کو شہرت حاصل ہوئی۔

۱۲۔ **غرائب القرآن ورغائب الفرقان**۔ علامہ نظام الدین نیساپوری المعروف بنظام الاعرج۔ یہ تفسیر نیساپوری کے نام سے بھی مشہور ہے، اس کے سبب تالیف کے بارے میں نظام اعرج کا بیان ہے کہ "بعض احباب نے مجھ سے خواہش کی کہ میں ایک ایسی تفسیر لکھوں جو مہمات مسائل پر مشتمل ہو، چنانچہ میں نے امام رازی کی اسم بامسمی تفسیر مفاتیح الغیب اور کشاف سے استفاضہ کرکے یہ کتاب تالیف کی۔ سنہ تالیف ۷۳۰ھ ہے، اس کتاب کے مؤلف نیساپور سے نقل مکان کرکے ہندوستان کے شہر دولت آباد آکر آباد ہو گئے تھے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ برصغیر کے پہلے مصنف ہیں جنھوں نے عربی زبان میں قرآن کی تفسیر لکھی، یہ متعدد بار چھپ چکی ہے،

۱۳۔ **عیون التفاسیر**۔ شیخ شہاب الدین احمد بن محمود السیواسی (المتوفی سنہ اس وقت تک قرآن کی جتنی تفسیریں لکھی گئی تھیں، مصنف نے اس میں ان سب کا نچوڑ اور حاصل مطالعہ جمع کر دیا ہے، اس لیے اپنے اختصار وایجاز کے باوجود نہایت جامع تفسیر ہے، خدابخش لائبریری پٹنہ میں اس کا مخطوطہ موجود ہے،

۱۴۔ **خلاصہ تفسیر کشاف**۔ ابوزرعہ عراقی (المتوفی ۸۲۶ھ)، اس میں مولف نے احادیث کشاف کی تخریج بھی کی ہے، اور ساتھ ہی متعدد ضمیموں کا اضافہ بھی کیا ہے۔

حدیث | **شروح بخاری**:۔

۱۵۔ **الکواکب الدراری**۔ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی۔ یہ بخاری کی بہت مشہور اور فوائد سے معمور شرح ہے۔ اس میں پہلے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ علم حدیث تمام علوم میں افضل اور صحیح بخاری تمام کتب حدیث میں اعلیٰ وبرتر ہے۔ نحوی الفاظ اور اعراب کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے، روایات، اسمائے رجال اور القاب رواۃ کا اہتمام ضبط سے کیا ہے، ۷۷۵ھ میں مکہ معظمہ میں

اس کی تالیف سے فراغت پائی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنہ میں اس کی افادیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں مصنف سے بہت اوہام واقع ہوئے ہیں، متعدد کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

۱۶۔ **شواہد التوضیح**۔ سراج الدین بن علی بن الملقن (المتوفی ۸۰۴ھ)، یہ شرح بیس ضخیم جلدوں میں ہے، اس کے آغاز میں مصنف کے قلم سے ایک مفید مقدمہ بھی ہے، علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ اس شرح میں ابن الملقن کا اعتماد زیادہ تر اپنے شیخ مغلطائی کی شرح تلویح پر ہے، حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ یہ شرح اخیر حصہ میں بالکل قلیل النفع ہے۔

۱۷۔ **اللامع الصبیح**۔ علامہ محمد بن عبد الدائم البرماوی (المتوفی ۸۳۱ھ) خود مؤلف کے بیان کے مطابق یہ شرح زرکشی کی شرح تنقیح اور کرمانی کی شرح بخاری سے مستفاد ہے، لیکن اس میں بعض ایضاحات، تنبیہات اور فوائد کا اضافہ بھی ہے، چار جلدوں میں کتب خانہ ایاصوفیہ قسطنطنیہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

۱۸۔ **شرح البخاری**۔ عبد الکریم بن عبد النور الحلبی (المتوفی ۷۳۵ھ)

۱۹۔ **التنقیح**۔ شیخ بدر الدین محمد بن بہادر زرکشی، اس کا ذکر اوپر آچکا ہے، مختصر شرح ہے، مؤلف نے اس میں مشکل الفاظ کی توضیح، غامض اعراب کی شرح اور مشتبہ انساب اور اسمائے رواۃ کے ضبط پر خاص توجہ دی ہے، اس کے علاوہ بہت سے قیمتی فوائد کا اضافہ کیا ہے، خدابخش لائبریری پٹنہ اور کتب خانہ ایاصوفیہ قسطنطنیہ میں اسکے مخطوطات ہیں،

۲۰۔ **فتح الباری**۔ حافظ ابن رجب حنبلی (المتوفی ۷۹۵ھ) یہ ابن حجرؒ کی وہ مشہور آفاق شرح نہیں ہے، جس کے بارے میں "لا ہجرۃ بعد الفتح" کا مقولہ مشہور ہے، اور نویں صدی کے وسط میں لکھے جانے کی وجہ سے اس مضمون میں ہم نے اس سے تعرض نہیں کیا ہے۔

زیر نظر شرح صحیح بخاری کے صرف ایک ٹکڑے کی ہے، جو کتاب الجنائز سے آگے نہ بڑھ سکی، طبقات حنابلہ میں اس کا ذکر ہے۔

۲۱۔ **شرح صحیح البخاری** علامہ ابن کثیر الدمشقی (المتوفی ۷۷۴ھ)، یہ بھی بخاری کے صرف ایک ٹکڑے کی شرح ہے، پوری مکمل نہ ہو سکی،

۲۲۔ **الفیض الجاری**۔ علامہ عمر بن رسلان البلقینی (المتوفی ۸۰۵ھ)، یہ شرح بھی تشنۂ تکمیل رہ گئی، پچاس جلدوں میں صرف کتاب الایمان تک پہنچ سکی، اس کے نا تمام رہنے کی تفصیل علامہ بلقینی کے حالات میں آگے آئے گی،

۲۳۔ **منح الباری بالسیح الفسیح الجاری**۔ علامہ مجد الدین الفیروز آبادی (المتوفی ۸۱۶ء) یہ اتنی مبسوط ہے کہ صرف ربع عبادات تک بیس جلدوں میں پہنچی، علامہ موصوف نے اس کی تکمیل کا اندازہ چالیس جلدوں میں لگایا تھا جو پوری نہ ہو سکی، حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ اس شرح میں ابن عربی کے فتوحات مکیہ کے اکثر مضامین درج ہیں، اس لیے فن میں خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہ کر سکی، شیخ الاسلام ابن حجر کی نظر سے اس کا ایک کرم خوردہ نسخہ گذرا تھا،

۲۴۔ **ترجمان التراجم**۔ ابو عبد اللہ محمد بن عمر رشید السبتی (المتوفی ۷۲۱ھ)، مؤلف نے اس میں صحیح بخاری کے ابواب پر بحث کی ہے، لیکن ناتمام ہے، اگر یہ مکمل ہو جاتی تو اہل علم کے لیے بہترین اخذ و مرجع ثابت ہوتی، ابن حجر نے لکھا ہے کہ ناتمام ہونے کے باوجود یہ کتاب نہایت مفید ہے،

۲۵۔ **شرح صحیح البخاری**۔ علامہ رکن الدین احمد بن محمد القونوی (المتوفی ۷۴۳ھ)، یہ وہی شرح ہے جس کا ذکر شیخ الاسلام ابن حجر نے عینی کی شرح عمدۃ القاری کی تفصیل کے جواب میں کیا ہے،

۲۶۔ **شرح صحیح البخاری**۔ امام قطب الدین بن عبد الکریم حلبی (المتوفی ۷۳۵ھ) یہ شرح

دس جلدوں میں صرف نصف کتاب تک پہنچ سکی، علامہ حلبی نے ایک طویل شرح لکھنے کا قصد کیا تھا، جو پورا نہ ہو سکا،

۲۷۔ **التلویح**۔ حافظ علاء الدین مغلطائی (المتوفی ۷۶۲ھ)، یہ شرح نہایت طویل ہے، اوپر اس کا نام آچکا ہے، صاحب الکواکب الدراری اس کی تقریظ میں رقمطراز ہیں: وشرحہ بتتمیم الاطراف اشبہ وتصحیف تصحیح التعلیقات امثل وکانہ من اخلائہ من مقاصد الکتاب علی ضمان ومن شرح الفاظہ وتوضیح معانیہ علی امان۔

۲۸۔ **مختصر شرح مغلطائی**۔ جلال الدین بتانی (المتوفی ۷۹۳ھ)، مذکورہ شرح کا اختصار ہے۔

متفرق کتب حدیث

۲۹۔ **مشارق الانوار کی شرحیں**، امام صغانی (المتوفی ۶۵۰ھ) کی مشارق الانوار حدیث کی بہت متداول کتاب ہے، ہر عہد میں بکثرت اس کی شرحیں لکھی گئی ہیں، آٹھویں صدی کی تصنیف ہے، شرحوں میں شیخ اکمل الدین البابرتی (المتوفی ۷۸۶ھ) کی "تحفۃ الابرار فی شرح مشارق الانوار"۔ امام سعید بن محمد الکازرونی (م ۷۵۸ھ) کی المطالع المصطفویۃ" شمس الدین بن الصائغ الزمردی (المتوفی ۷۷۶ھ) کی شرح مشارق اور علاء الدین القزوینی کی شرحیں ممتاز اور لائق ذکر ہیں،

۳۰۔ **الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی**۔ قاضی علاء الدین ابن الترکمانی (المتوفی ۷۵۰ھ) امام بیہقی کی السنن الکبریٰ اہل علم کے حلقہ میں محتاج تعارف نہیں، بقول خلیفہ چلپی اس کے مثل ابتک کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی، زیر نظر کتاب اسی کی تعلیق ہے، اس کے آغاز میں مصنف لکھتے ہیں" ھذہ فوائد علقتھا علی السنن الکبیرۃ للبیہقی اکثرھا اعتراضات علیہ و مباحث معہ"۔ حیدر آباد سے ۱۳۱۶ھ میں دو جلدوں میں شائع ہوئی۔

۳۱۔ **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد**۔ حافظ نور الدین الہیثمی (المتوفی ۸۰۷ھ)۔ اس میں مولف نے مسند ابن حنبل، مسند بزاز، ابو یعلی موصلی اور طبرانی کے معاجم ثلاثہ سے منتخب کرکے ان احادیث کو یکجا کر دیا ہے جو صحاح ستہ میں درج نہیں ہیں، اس طرح چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل یہ کتاب فن حدیث کا بیش قیمت ذخیرہ بن گئی ہے، متعدد بار طبع ہو چکی ہے، اور اس کے بعض ناتمام اجزاء کتب خانہ خدیویہ مصر میں بھی محفوظ ہیں۔

۳۲۔ **کشف الکربۃ فی وصف حال اہل الغربۃ**۔ علامہ ابن رجب حنبلی (المتوفی ۷۹۵ھ) یہ ۳۱ صفحات کا ایک رسالہ ہے، جو مشہور حدیث بدأ الاسلام غریبا کی شرح ہے جو مصر سے چھپ چکا ہے۔

۳۳۔ **نصب الرایہ لاحادیث الہدایۃ**۔ امام عبداللہ بن یوسف الزیلعی (المتوفی ۷۶۲ھ) امام مرغینانی کی مشہور تصنیف ہدایہ فی الفروع اپنے غیر معمولی محاسن کے باعث ہر عصر میں فقہاء کا مرجع رہی ہے، اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کی بکثرت شرحیں لکھی گئی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں حمید الدین علی بن محمد البخاری نے سب سے پہلے اس کی شرح لکھنے کی سعادت حاصل کی، اسکے بعد سے برابر یہ سلسلہ قائم ہے، اسی طرح بعض علماء نے اس میں مندرج احادیث کی تخریج بھی کی ہے، زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی بہترین تصنیف ہے۔

۳۴۔ **مشکوٰۃ المصابیح**۔ شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ التبریزی (المتوفی ۷۴۰ھ) حدیث کا مشہور اور متداول ترین مجموعہ ہے، عربی مدارس کا شاید ہی کوئی حلقۂ درس اس سے خالی ہو، اس کا سنہ تالیف ۷۳۷ھ ہے، بارہا طبع ہو چکی ہے، اس کے شروح میں ابوالحسن بن محمد (م ۷۴۳ھ)، حسن بن محمد الطیبی (۷۴۳ھ) اور عبدالعزیز بن محمد کی شرحیں ممتاز ہیں۔

۳۵۔ **کنز الدقائق فی فروع الحنفیۃ**۔ علامہ ابوالبرکات نسفی فقہ کی بہت مشہور اور

نف

متداول کتاب ہے، اپنی افادیت کی وجہ سے اکثر عربی مدارس کے نصاب درس میں داخل ہے، اس کی بھی بکثرت شرحیں لکھی گئیں، جن میں آٹھویں صدی کے امام زیلعی کی تبیین الحقائق لما الکنز فیہ من الدقائق بہت ممتاز ہے۔

۳۶۔ **فتاوی بزازیہ**۔ امام ابن البزاز الکردری (المتوفی ۸۲۷ھ)، یہ عام طور پر جامع الوجیز کے نام سے مشہور ہے، اس میں مصنف نے فقہ کی مستند ترین کتابوں کے اہم مسائل کی تلخیص جمع کی ہے، اس کا سنہ تالیف ۸۱۲ھ ہے۔ قازان بولاق اور میمنیہ سے فتاوی عالمگیری کے حاشیہ پر متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔

۳۷۔ **شرح الوقایہ**۔ امام صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود (المتوفی ۷۴۷ھ) فقہ حنفی کی مفید و جامع تصنیف ہے، اپنی اہمیت اور جامعیت کے باعث عربی مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل ہے، سنہ تالیف ۷۴۳ھ ہے۔ مطبعۃ الامبراطوریہ قازان سے ۱۳۰۰ھ میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔

۳۸۔ **مجموعۃ الفتاوی**۔ امام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)، پانچ ضخیم جلدوں میں ۱۳۲۶ھ سے ۱۳۲۹ھ تک مطبعہ کردستان علمیہ مصر سے شائع ہوا، اس مجموعہ میں ابن تیمیہ کی پانچ اور مستقل تصانیف بھی شامل ہیں، جن کے نام یہ ہیں: اقامۃ الدلیل۔ الاختیارات العلمیہ الرسالۃ التسعینیہ، الرسالۃ السبعینیہ، شرح عقیدۃ الاصفہانیہ۔ علامہ ابن تیمیہ نے بکثرت کتابیں لکھی ہیں، صاحب معجم المطبوعات نے ان کی ۵۳ تصانیف کی فہرست دی ہے۔

۳۹۔ **کشف الاسرار عما خفی علی الافکار**۔ امام احمد بن عماد الدین الاقفہسی (۸۰۸ھ)۔ یہ کتاب سترہ سوالات کے جواب میں ہے، اور اس ضمن میں بہت سے جزوی مسائل بھی آ گئے ہیں، اس کے آغاز میں مصنف نے لکھا ہے کہ:

هذا الكتاب اذكر فيه اجوبة عن — اس کتاب میں میں نے مشکل مسائل کے

مسائل مشكلة وخفيات عن — جوابات ذکر کیے ہیں، اور بہت سے ان

ادراك قلوب مقفلة تحيرفيها — نکات کو بیان کیا ہو جن کو سمجھنے میں علما کی

افكار العلماء — عقل و فہم بھی دشواری محسوس کرتی ہے

مصنف فقہائے شافعیہ میں درجہ امتیاز رکھتے ہیں، شیخ بلقینی و عراقی رحمہا اللہ کے صحبت یافتہ تھے، نظم و نثر میں ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں مذکورہ بالا کتاب کے علاوہ فقہ شافعی میں القول التام اور منظومۃ (ابن العماد) فی المعفوات لائق ذکر ہیں، کشف الاسرار کے ساتھ ابو علی احمد الازہری کی شرح بھی شامل ہے، یہ ۱۳۱۵ھ میں اسکندریہ سے شائع ہوئی۔

۴۰۔ **تبصرة الحكام** ۔ امام ابن فرحون المالکی (م ۷۹۹ھ)، فقہ مالکی سے متعلق مشہور تصنیف ہے، اس کا پورا نام "تبصرة الحكام فی اصول الاقضیۃ ومناہج الاحکام" ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنہ میں اسے اپنے موضوع پر نہایت نفیس و عمدہ کتاب قرار دیا ہے، دو بار طبع ہو چکی ہے،

امام ابن فرحون اس عہد کے اُن باکمال مالکی علماء میں تھے جن کی زندگی کا مشن ہی امام مالک کے نظریات و افکار کی توسیع و اشاعت رہا، انھوں نے اپنے مسلک کے اعیان فضلاء کے تراجم میں بھی ایک تصنیف الدیباج المذہب کے نام سے ۷۶۱ھ میں لکھی جو بہت مشہور ہوئی، اس میں تقریباً ۶۳۰ رجال مالکیہ کے مختصر و طویل ترجمے ہیں، فاس (مراکش) سے ۱۳۱۶ھ میں شائع ہوئی، صفحات کی تعداد ۳۰۴ ہے، اس کے حاشیہ پر شیخ احمد بابا التمبکتی کی تالیف نیل الابتہاج بھی مندرج ہے، جو درحقیقت اصل کتاب کا تکملہ ہے۔

۴۱۔ **الانوار لاعمال الابرار** ۔ جمال الدین یوسف بن ابراہیم الاردبیلی (م ۷۹۹ھ)

دو جلدوں پر مشتمل یہ فقہ شافعی کی تصنیف ہے، مطبعہ میمنیہ اور مطبعہ جمالیہ سے ۱۳۱۱ھ و ۱۳۲۸ھ میں شائع ہوئی۔

۴۲۔ **تحرير الاحكام الشرعيه** ۔ شیخ حسن بن یوسف الحلی (م ۷۲۶ھ)۔ اس کتاب میں مذہب امامیہ کے تمام فقہی مسائل اور فروعی احکام کو اختصار و ضبط کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے، اہل تشیع کے نزدیک معتبر ترین تصنیف شمار ہوتی ہے، مولف شیعی علماء میں بہت کامل الفن سمجھے جاتے تھے، اپنے مسلک پر ان کی کتابیں بکثرت ہیں، زیر نظر کتاب ۸۰۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس کا ۹۷۶ھ کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری رام پور میں ہے۔

۴۳۔ **اغاثة اللهفان** ۔ شیخ الاسلام ابن قیم الجوزی (م ۷۵۱ھ)۔ اس میں حدیث نبوی اور آثار صحابہ کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ غصہ کی حالت میں طلاق معتبر نہیں، اور اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، مصر سے ۱۳۲۲ھ میں طبع ہوئی، تعداد صفحات ۸۰۴۔

۴۴۔ **الطرق الحكمية** ۔ امام ابن قیم الجوزی (م ۷۵۱ھ)۔ مذہب حنابلہ کی نہایت نادر و کمیاب کتاب ہے، اس کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے مؤلف خطبۂ افتتاحیہ میں لکھتے ہیں:

"مجھ سے ایک بار استفسار کیا گیا کہ حکام اور ولاۃ مجرد شہادت اور اقرار پر احکام نافذ نہیں کرتے، بلکہ قرائن و قیاسات کو بھی اس میں دخل دیتے ہیں۔ حکام کا یہ عمل درست ہے یا غلط؟ اسی استفسار کا اس کتاب میں بہت مفصل اور مدلل جواب لکھا گیا ہے، جس میں بکثرت شواہد و نظائر کے ساتھ بہت سے دوسرے فقہی احکام بھی بیان ہو گئے ہیں"۔ علما کا خیال ہے کہ یہ کتاب بہت عمدہ اسلوب میں لکھی گئی ہے، اس کا ۱۲۸۳ھ کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ جس کے ۲۳۱ صفحات ہیں رام پور کے کتب خانہ میں ہے،

۴۵۔ **الجوهرة النيرة** ۔ علامہ ابوبکر بن علی الحدادی (م ۸۰۰ھ)۔ یہ چوتھی صدی ہجری

کے مشہور فقیہ امام قدوری کی تصنیف مختصر القدوری کی دو جلدوں پر مشتمل شرح ہے، جو نہایت انضباط کے ساتھ لکھی گئی ہے، پہلی جلد میں کتاب الطہارت سے کتاب الزکوٰۃ اور دوسری میں کتاب الصلح سے آخر کتاب تک کی شرح ہے، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ دراصل شارح علام نے مواہب السراج الوہاج کے نام سے قدوری کی ایک نہایت مطول و مفصل شرح لکھی تھی، الجوہرۃ النیرۃ اسی کا اختصار ہے، ۱۳۲۸ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہوئی جلد اول میں ۳۲۰ اور دوم میں ۳۷۶ صفحات ہیں۔

۴۶۔ **مجموع الکلائی**۔ شیخ شمس الدین محمد بن شرف الزبیری (۷۷۷ھ) یہ فن فرائض کی بہت قدیم کتاب ہے، اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی جا چکی ہیں، مؤلف فرائض وحساب میں اتنے بڑے ماہر تھے کہ فرضی ان کے نام کا جزو بن گیا تھا، حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ خاص اس فن کی مہارت میں ان کی نظیر اس عہد میں مفقود تھی، برٹش میوزیم اور کتبخانہ رام پور میں اس کے مخطوطہ نسخے پائے جاتے ہیں۔

اصول

۴۷۔ **عنوان التعریف باسرار التکلیف**۔ امام ابو اسحق ابراہیم بن موسی الشاطبی (۷۹۰ھ)، چار جلدوں میں ہے، اصول فقہ کی مشہور کتاب ہے، عام طور پر الموافقات کے نام سے مشہور ہے، مطبعہ دولۃ التونسیہ تونس سے ۱۳۰۲ھ میں شائع ہوئی۔

۴۸۔ **تنقیح الاصول**۔ یہ کتاب بھی مذکورہ بالا مصنف کی ژرف بینی کا شاہکار ہے، اس کے سبب تالیف کے بارے میں مصنف علام آغاز کتاب میں رقمطراز ہیں: "میں نے کبار علماء کو فخر الاسلام بزدوی کی کتاب کے مباحث میں غیر معمولی دلچسپی لیتے دیکھا، بعض لوگ اس کتاب کے ظاہری الفاظ وغیرہ پر سخت نقد کرتے تھے، اس لیے میں نے اس کی تنقیح اور اس کے الفاظ کے منشا، و مراد کو واضح کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی"، پھر مصنف نے

التوضیح فی حل غوامض التنقیح کے نام سے اس کی شرح بھی لکھی، یہ دونوں ساتھ ساتھ ہندستان اور دوسرے ملکوں میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے،

۴۹۔ **التلویح فی کشف حقائق التنقیح**۔ علامہ تفتازانی۔ یہ بھی امام صدر الشریعۃ کی مذکورہ بالا تنقیح الاصول کی شرح ہے، اس کا پہلا حصہ قسطنطنیہ سے ۱۳۰۴ھ میں اور دوسرا حصہ مطبعہ میمنیہ سے ۱۳۲۷ھ میں تنقیح کے حاشیہ پر شائع ہوا، ہندوستان سے بھی ۱۲۹۲ھ میں چھپ چکی ہے۔

۵۰۔ **شرح العضدی**۔ علامہ سعد الدین تفتازانی (المتوفی ۷۹۳ھ) مختصر الاصول مؤلفہ ابن حاجب کی جو شرح قاضی عضد الدین ایجی نے لکھی تھی، یہ کتاب اس شرح کی شرح ہے، اہل نظر کا خیال ہے کہ اس شرح میں علامہ تفتازانی نے جس تحقیق و نکتہ رسی کا ثبوت دیا ہے اس کی نظیر ملنا دشوار ہے، سنہ تصنیف ۷۷۰ھ، تعداد صفحات ۵۲۰، دسویں صدی کا ایک قلمی نسخہ رام پور میں ہے،

شارح نے صرف سولہ سال کی عمر میں زنجانی کی شرح لکھکر دنیائے علم و فن میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا تھا، اس وقت سے آخر عمر تک مستقل تصنیف و تالیف کا شغل رہا، اسلیے ان کی مؤلفات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

۵۱۔ **نہایۃ السول**۔ علامہ عبد الرحیم بن الحسن الاسنوی (المتوفی ۷۷۲ھ) یہ امام بیضاوی کی فاضلانہ تصنیف "منہاج الوصول الی علم الاصول" کی شرح ہے، جو التقریر والتحبیر لابن امیر الحاج کے حاشیہ پر تین جلدوں میں ہے، سنہ تصنیف ۸۷۱ھ۔

۵۲۔ **حاشیۃ الابہریۃ**۔ امام سیف الدین احمد الابہری۔ یہ بھی شرح مختصر الاصول للعضدی کا حاشیہ ہے، جس کو فاضل محشی نے بڑی عرق ریزی اور تحقیق کے ساتھ تحریر کیا ہے، مجمل

مقامات کو شرح وبسط کے ساتھ لکھا اور مسائل دقیقہ کو بہت حسن وخوبی کے ساتھ حل کیا ہے، تعداد صفحات ۸ ۴ ۵ ۔

علامہ ابہری آٹھویں صدی کے یگانۂ روزگار فضلاء میں تھے، انھیں قاضی عضد الدین ایجی (المتوفی ۷۵۶ھ) سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ان کے سنہ وفات کی تحقیق نہ ہوسکی۔

۵۳۔ **الفیہ مصطلح الحدیث**۔ امام زین الدین العراقی، اصول حدیث کی کتاب ہے، سنہ تالیف ۷۶۸ھ، مصنف نے ۸۰۱ھ میں فتح المغیث کے نام سے اس کی شرح بھی لکھی، لکھنؤ سے ٹائپ میں ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوئی، اس میں امام سخاوی کی شرح الفیہ بھی شامل ہے، الفیۃ العراقی کے بارے میں صاحب المعجم کا بیان ہے کہ "طارت صیتہا فی الآفاق۔

۵۴۔ **زوال الترح**۔ شیخ محمد بن احمد بن عبد الہادی المقدسی (۷۴۴ھ) یہ امام ابن فرح الاشبیلی (۶۹۹ھ) کی اصول حدیث میں منظوم تصنیف غرامی صحیح کی شرح ہے، بعض محققین اسے شیخ عزالدین بن جماعۃ (۸۱۹ھ) کی تصنیفات میں شمار کرتے ہیں، بہرحال اتنا تو مسلم ہے کہ یہ آٹھویں صدی میں لکھی گئی، مختصر سی کتاب ہے لیکن بقامت کہتر بقیمت بہتر" کی مصداق ہے، جرمن زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوچکا ہے، اور ۱۸۹۵ء میں مع ترجمہ طبع ہوئی۔

۵۵۔ **الباعث الحثیث**۔ حافظ ابن کثیر الدمشقی (المتوفی ۷۷۴ھ)، یہ کتاب علوم الحدیث ابن صلاح کی تلخیص ہے، جو اصول حدیث میں معتبر و مستند تصنیف خیال کی جاتی ہے، ابن صلاح کی طرح ابن کثیر نے بھی انواع حدیث کو ۶۵ اقسام میں تقسیم کیا ہے، ترتیب و تبویب وغیرہ میں بھی انھوں نے ابن صلاح کے انداز کو قائم رکھا ہے، بلکہ مدخل بیہقی سے بہت سے قیمتی فوائد کا اضافہ بھی کیا ہے، سنہ تصنیف ۷۵۲ھ۔ کتب خانہ رام پور اور خدیویہ مصر میں اس کے قلمی نسخے محفوظ ہیں،

حافظ ابن کثیر کا فضل وکمال بیان سے مستغنی ہے، ان کی قوت حافظہ، رسائی ذہن اور ذکاوت وذہانت کا اعتراف ان کے معاصر ائمۂ فن نے بھی کیا ہے، بہت سی تصانیف ان کی یادگار ہیں، ان میں سب سے زیادہ مقبول ومشہور **البدایۃ والنہایہ** ہے، جو اپنی افادیت اور درجۂ استناد کے باعث محققین کا مرجع شمار ہوتی ہے، یہ کتاب ۱۴ جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں ہجرت نبوی کے بعد سے مؤلف کے اواخر عہد یعنی ۷۶۷ھ تک بترتیب سنین اہم تاریخی وقائع اور مشاہیر فضلاء کے احوال واخبار اور وفیات تحریر کیے گئے ہیں، مطبعہ کردستان العلمیہ مصر سے ۱۳۴۸ھ میں اس کی اشاعت ہوئی۔

جغرافیہ | ۵۶۔ **مسالک الابصار فی ممالک الامصار**۔ علامہ ابن فضل اللہ العمری (المتوفی ۷۴۹ھ)، جغرافیہ کی مستند کتاب ہے، استاذ احمد زکی پاشا نے مرتب کرکے ۱۹۲۴ء میں دار الکتب المصریۃ قاہرہ سے شائع کیا، مرتب نے اس کے مختصر پیش لفظ میں اسے متاع گم گشتہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

ھذا کتاب مسالک الابصار	کتاب مسالک الابصار اور اس کے مؤلف
لابن فضل اللہ العمری قد	کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، یہ وہ
لا یحتاج الی التعریف بہ	کتاب ہے جس سے عہد وسطیٰ کے تمام اکابر
ولا بمؤلفہ فقد استفاد منہ	علماء مستفید ہوئے ہیں، میں نے جونہی
فی القرون الوسطی کل اکابر	اس کی ورق گردانی کی، ایسا محسوس
العلماء فی الشرق ... تصفحتہ	ہوا کہ کوئی متاع گم شدہ
واذا بہ ھو الضالۃ المنشودۃ	مل گئی ہو۔

مرتب کا یہ بھی بیان ہے کہ انھوں نے یورپ اور قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں محفوظ اس کتاب کے قلمی نسخوں کو پیش نظر رکھا ہے، دار الکتب المصریہ میں بھی اس کا مکمل مخطوطہ موجود ہے، کتب خانہ دار المصنفین کا مطبوعہ نسخہ اچھی حالت میں ہونے کے باوجود نہایت خستہ ہے۔

۵۷۔ **تقویم البلدان**۔ ابو الفداء، اس میں مؤلف نے دنیا کے تمام ملکوں اور شہروں کے جغرافیائی حالات اور وہاں کے مشاہیر علماء کے متعلق بیش قیمت معلومات فراہم کی ہیں، مؤلف کی تصریح کے مطابق انھوں نے ابن حوقل، شریف ادریسی، ابن خرداذبہ، سمعانی اور یاقوت حموی کی تصانیف سے کافی استفادہ کیا ہے، مستشرقین کی کوشش سے ۱۸۴۱ء میں پہلی مرتبہ دار الطباعۃ السلطانیہ پیرس میں طبع ہوئی، آغاز کتاب میں فرنچ میں ایک طویل مقدمہ بھی شامل ہے، یورپ میں جغرافیہ ابی الفداء کے نام سے لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ شائع ہوا، اور اس کے بعض متفرق اجزاء انگریزی میں بھی ترجمہ ہوئے۔

۵۸۔ **خریدۃ العجائب**۔ زین الدین عمر بن الوردی (المتوفی ۷۴۹ھ) مصر سے ۱۳۰۳ھ میں شائع ہوئی۔

نحو ۵۹۔ **شرح ابن عقیل**۔ علامہ ابن عقیل القرشی (۷۶۹ھ)، یہ نحو کی مشہور کتاب الفیۃ ابن مالک کی شرح ہے، اپنی اہمیت کی وجہ سے بعض مدارس کے نصاب تعلیم میں بھی داخل ہے، بارہا چھپ چکی ہے۔

۶۰۔ **شرح شذور الذہب فی معرفۃ کلام العرب**، علامہ ابن ہشام النحوی (۷۶۱ھ) فن نحو کی نہایت مفید و کارآمد کتاب ہے، بولاق مصر سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے، اکثر

عربی مدارس نے اپنے نصاب میں بھی داخل کر رکھا ہے، مؤلف کی اس کے علاوہ نو[9] کتابیں اور بھی ہیں، شرح قطر الندی، شرح قصیدۃ بانت سعاد، مغنی اللبیب، موقد الاذہان، موقظ الوسنان وغیرہ۔

۶۱۔ **ارتشاف الضرب من لسان العرب**۔ علامہ ابو حیان اندلسی (۷۴۵ھ) تین جلدوں میں منقسم ہے، اس کا ۱۳۳۹ھ کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہے، علامہ ابو حیان اپنے زمانہ میں تفسیر، ادب، تاریخ، لغت، علم رجال، معرفت طبقات وغیرہ جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ اور ید طولیٰ رکھتے تھے، لیکن فن نحو و صرف میں وہ خاص طور سے امام فن تسلیم کیے گئے ہیں، آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ان کی شہرۂ آفاق تفسیر البحر المحیط کا ذکر اوپر آ چکا ہے، علامہ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں اور حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنہ میں ان کی بہت سی تصنیفات کی فہرست دی ہے۔

(باقی)

بابُ التّقریظ والانتقاد

جزء حجّۃ الوداع وبلیہ جزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شاہ معین الدین احمد ندوی

حج اسلام کا بنیادی رکن اور ملت ابراہیمی کی عظیم الشان یادگار ہے، دوسرے اسلامی ارکان وعبادات کی طرح اس کا بھی حدیث وفقہ کی کتابوں میں مستقل باب موجود ہے، گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں صرف ایک ہی دفعہ فریضۂ حج ادا کیا، مگر آپ کے حج مبارک کی تفصیلات کے متعلق جو احادیث وواقعات مروی ہیں، ان میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، منکرین حدیث نے اس کو بھی احادیث میں طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا ہے، جو ان کی عدم واقفیت اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے، امام شافعیؒ نے اختلاف الحدیث اور امام خطابیؒ نے معالم السنن میں اس کا جواب دیا ہے، سیر وتاریخ کی کتابوں میں بھی حجۃ الوداع کی تفصیل کے بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے واقعات اور اس سے متعلقہ مباحث ومسائل میں احادیث کے فرق واختلاف کی نوعیت اور اصل حقیقت پوری طرح بیان کر دی گئی ہے، جس سے حدیثوں کا تناقض رفع ہو گیا ہے، اور ان کے درمیان مکمل تطبیق ہو گئی ہے، علامہ ابن حزم وغیرہ نے حجۃ الوداع پر مستقل رسالے لکھے ہیں، اور اردو میں سیرۃ النبی جلد اول میں اس کا مفصل ذکر ہے۔

حجۃ الوداع کے جزئی واقعات اور اس سے متعلقہ روایات میں اختلافات کی کثرت کی بنا پر شیخ الحدیث حضرت الحاج مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم کو بھی اس کے واقعات واحادیث کی جمع وتالیف کا خیال ہوا، ان کی ذات گرامی شریعت وطریقت کی جامع ہے، عرفان وتصوف کے ساتھ دینی علوم خصوصاً حدیث نبوی پر ان کی نظر بڑی گہری اور وسیع ہے، حدیث نبوی کا ذوق ان کو

اپنے اسلاف کرام سے ورثہ میں ملا ہے اور ان کی پوری زندگی اس کی خدمت اور درس وتدریس میں گذری ہے، اسلئے اسکے مشکلات ومہمات مباحث پر بھی ان کی نظر وسیع ہے اور انھوں نے درس حدیث کے علاوہ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں اس فن شریف کی خدمت انجام دی، اردو میں تبلیغی رسائل لکھے جو اعمال وعبادات کے فضائل سے متعلق احادیث اور انکی شرح پر مشتمل ہیں اور عربی میں بھی مؤطا امام مالکؒ کی ضخیم شرح اور صحاح ستہ کی کئی کتابوں پر مبسوط تعلیقات تحریر فرمائیں جو ان کے علمی وفنی تبحر، دقت نظر اور وسعت مطالعہ کا ثبوت اور متقدمین کے شروح وتعلیقات کے ہم پایہ ہیں، وہ بذل المجہود کی تالیف وتصنیف میں بھی جو سنن ابی داؤد کی مشہور شرح ہے اپنے نامور استاذ مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری کے شریک ومعاون رہ چکے ہیں،

زیر نظر رسالہ حضرت شیخ الحدیث کے قلم کا تازہ ترین افادہ ہے، یہ دو جزوں پر مشتمل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج وعمرات کے متعلق مفصل اور محققانہ معلومات کا مستند ذخیرہ ہے۔ پہلے جزء میں حجۃ الوداع کے واقعات کی تفصیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج مبارک کی پوری کیفیت اور مدینہ طیبہ سے روانگی سے واپسی تک کی روداد سفر اس طرح پیش کی گئی ہے کہ حج کے واقعات وکوائف کی تحقیق وتنقیح اور اس کی جملہ روایات پر بحث وتنقید بھی آگئی ہے، اور ان سے مستنبط مسائل ومناسک اور ان کے بارہ میں جمہور فقہاء وائمۂ مذاہب کے آراء واختلافات بھی واضح ہو گئے ہیں، اس ضمن میں روایات وواقعات کے تضاد اور مورخین وارباب سیر کے اختلافات واوہام کا بھی ازالہ کیا گیا ہے، جس سے حجۃ الوداع کا صحیح مرقع سامنے آجاتا ہے۔ دوسرے جزء میں جو عمرات نبویؐ سے متعلق ہے، پہلے عمرہ کے لغوی وشرعی معنی کی تحقیق، اس کی تعریف، اس کے ارکان، شرائط اور احکام وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرات کی

تعداد اور ان سے متعلق تمام واقعات و روایات کی تحقیق و تنقید، ان سے مستنبط مسائل کی تشریح، فقہاء کے اقوال اور روایات و احادیث اور مورخین و ارباب سیر کے اختلافات پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے، اور آخر میں عمرہ سے متعلق بعض غلط روایات و حکایات کا جائزہ کیا گیا ہے اور ان کی تردید کی گئی ہے، پہلا جزء علامہ ابن قیمؒ کی شہرۂ آفاق کتاب زاد المعاد سے اور دوسرا جزء مواہب لدنیہ اور تاریخ الخمیس سے ماخوذ و مستفاد ہے،

حضرت شیخ نے حجۃ الوداع کے واقعات کی تفصیلات کے لیے حافظ ابن قیم حنبلی کی تحریر کو ماخذ بنایا ہے، جو ان کے حسن انتخاب کا ثبوت ہے، علامہ ابن قیم کثرت تصنیف اور حسن تصنیف دونوں لحاظ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں، انھوں نے زاد المعاد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ خاص کیفیت کے ساتھ بڑے والہانہ انداز میں لکھی ہے، یہ ایک بڑی جلیل القدر اور بے نظیر تصنیف ہے، خصوصاً حج اور اس کے متعلقات و مناسک کے متعلق ایسے محققانہ و مبسوط مباحث اور معلومات کا اتنا بڑا ذخیرہ کسی کتاب میں نہیں مل سکتا، لیکن ابن قیم کے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ کی کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی حدیث و فقہ، سیرت و تاریخ، طبقات و رجال، تصوف و کلام اور نحو و صرف وغیرہ مختلف علوم پر مشتمل ہے، اور یہ تمام علوم و مسائل ایک دوسرے سے اس طرح مخلوط ہو گئے ہیں کہ ان میں امتیاز کرنا اور حجۃ الوداع کے سادہ واقعات اور حج کے مناسک و احکام کو ان سے جدا کرنا آسان نہیں ہے، اس لیے سہولت پسند لوگوں کو اصل کتاب کے مطالعہ میں خاصی الجھن اور دشواری پیش آسکتی ہے، اس کے علاوہ علامہ ابن قیم نے حج کے اکثر اختلافی مباحث اور مختلف فیہ مسائل میں حدیث و آثار کی روشنی میں آزادانہ و مجتہدانہ بحث کی ہے، وہ اس میں کسی خاص فقہی مذہب کے پابند نہیں ہیں، اس بنا پر حنفیہ کے اقوال و مسالک، ان کے مرجحات و وجوہ ترجیح وغیرہ اس سے پوری طرح منقح نہیں ہوتے، اس لیے شیخ الحدیث مدظلہ نے زاد المعاد سے حج کے بیان کی

تلخیص کر کے اس کو متن میں اور اس کی تفصیلات و جزئیات اور دوسرے مباحث اور روایات کو شرح و حاشیہ میں درج کر دیا ہے، اور حسب ضرورت حدیث، سیر اور تاریخ کی کتابوں سے ضروری اور اہم معلومات و مسائل کا متن و شرح دونوں میں اس طرح اضافہ کر دیا ہے کہ نفس مسئلہ اور حج کے اصل واقعات و احکام میں کوئی فرق نہیں آنے پایا ہے، اور غیر متعلق بحثیں جن سے عام قاری کو گھبراہٹ ہو سکتی تھی، حذف ہو گئی ہیں،

زاد المعاد کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ علامہ ابن قیمؒ نے حجۃ الوداع کے واقعات کی تفصیل میں اکابر علمائے اسلام و اساطین فن خصوصاً امام طبری، قاضی عیاض اور علامہ ابن حزم وغیرہ کے ان اوہام اور غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا ہے، جو ان کو واقعات حج کے سلسلہ میں پیش آئی ہیں، حضرت شیخ الحدیث نے اس کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، اور اس پر اضافہ بھی کیا ہے، اور کہیں کہیں خود علامہ ابن قیم کے وہم کی بھی وضاحت کر دی ہے،

حافظ ابن قیم کی طرح حضرت شیخ نے بھی اس کتاب میں اس استقصاء و جامعیت سے کام لیا ہے کہ معمولی جزئیات بھی چھوٹنے نہیں پائی ہیں، اور بعض مقامات پر تو خود علامہ ابن قیم کے بعض صحیح اور ضروری واقعات کو قلم انداز کر دینے پر اظہار حیرت کیا ہے،

واقعات و روایات کے فرق اور ارباب سیر کے اختلافات پر حافظ ابن قیم نے خاص طور پر بحث کی ہے، اور ان میں توفیق و تطبیق دی ہے، یا ان کی تاویل و توجیہ یا تردید کی ہے، شیخ الحدیث نے بھی روایات مختلفہ اور مختلف فیہ امور میں حتی الامکان جمع و تطبیق یا تاویل و توجیہ کی کوشش کی ہے، لیکن جہاں یہ نہیں ہو سکا ہے، وہاں پوری تحقیق اور دلائل کے ساتھ اپنی ترجیح و تصویب کا ذکر کیا ہے،

علامہ ابن قیم نے حج کے مسائل و مناسک کے سلسلہ میں فقہاء اور ائمہ مذاہب کے

مسالک واختلافات بھی بیان کیے ہیں اور ان میں مجتہدانہ محاکمہ کیا ہے، حضرت شیخ نے نقل مذاہب میں اور زیادہ کوشش فرمائی ہے، اور جمہور فقہا وائمۂ اربعہ کے علاوہ دوسرے قابلِ ذکر علما ومجتہدین کے آرا ومذاہب بھی نقل کیے ہیں، بلکہ شاذ وغریب اقوال کا بھی ذکر کر دیا ہے اور وجوہ اختلاف وترجیح بھی بیان کر دیے ہیں نقل مذاہب اور ان کی تائید وترجیح میں بڑی احتیاط اور انصاف پسندی سے کام لیا گیا ہے، حضرت شیخ حنفی ہیں اس لیے قدرتی طور پر ان کا رجحان اسی مسلک کی طرف ہے لیکن ترجیحات میں پورے استدلال اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے، حنفیہ کے اقوال خصوصیت سے ذکر کیے گئے ہیں جن مسائل میں علمائے احناف سے متعدد اقوال منقول ہیں، اُن سب کو ذکر کرنے کے بعد صحیح ومرجح کی تعیین کر دی گئی ہے،

علامہ ابن قیم نے احکام ومناسک حج کی حکمتیں اور ان کے فوائد واسرار بڑے دلنشین انداز میں تحریر کیے ہیں، اس رسالہ میں بھی مسائل حج کی حکمتیں اور مصلحتیں واضح کی گئی ہیں، اور بعض جگہ علمی نکات اور فوائد بھی تحریر کیے گئے ہیں، حضرت شیخ نے احادیث اور حجۃ الوداع کے واقعات سے فقہی مسائل مستنبط کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ تفسیری وکلامی وغیرہ مختلف النوع علمی بحثیں بھی فرمائی ہیں،

رجال واسناد اور حدیث کے فنی مباحث، روایات کے درجہ ومرتبہ یعنی مرفوع، موقوف، مسند، مرسل، صحیح، حسن، ضعیف، قوی، جید، سقیم اور مشہور وغریب وغیرہ کی تعیین بھی کی گئی ہے، اور بعض حدیثوں سے متعلق شبہات واشکالات ذکر کر کے انکا ازالہ کیا گیا ہے،

اسماء واعلام ومقامات کی پوری تحقیق کی گئی ہے، اور ان سے متعلق ضروری معلومات تحریر کیے گئے ہیں، اور ان کے قدیم اور موجودہ نام اور کوائف کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے، اور اسمیں عصری تحقیقات سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ الفاظ ولغات کے معانی، ان کے اعراب وحرکات

کی تصریح بعض اصطلاحات اور فقروں کی تشریح بھی کی گئی ہے، اور کہیں کہیں نحوی وصرفی مباحث، عربی زبان کے استعمالات اور طرز تعبیر وغیرہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے، غرض اپنے موضوع پر ایسی جامع کتاب اردو کیا عربی میں بھی مشکل سے ملے گی، ایسی کتابوں میں عموماً غیر معتبر بیانات وحکایات بھی شامل ہو جاتی ہیں، مگر یہ کتاب رطب یابس واقعات اور ضعیف وواہی روایتوں سے پاک اور علمی وتحقیقی حیثیت سے بلند پایہ ہے،

غالباً سہو قلم یا نقل وکتابت کی غلطی سے ص ۱۰۹ پر تاریخ الخمیس کے حوالہ سے درج ہے: "وکانت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا دار غالا آخر امرأۃ تزوج بہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآخرمن توفیت عنہم بلاخلاف۔" حالانکہ تاریخ الخمیس میں "بلاخلاف" کا لفظ نہیں ہے، اور آگے خود مصنف کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کا تمام امہات المومنین میں سب کے بعد وفات پانا مسلّم اور متفق علیہ نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے حافظ ابن حجرؒ کے اس میلان کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ، حضرت میمونہؓ کے بعد بھی زندہ تھیں، اسلیے اس عبارت کا صرف پہلا جزو صحیح ہے یعنی بلا اختلاف حضرت میمونہؓ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا لیکن سب سے آخر میں وفات پانا متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ ضعیف قول ہے اور اس کو صرف صاحب الخمیس اور ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اور واقدی کا حدیث وروایت میں جو پایہ ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے، مورخین اور اصحاب سیر کے صحیح بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ امہات المومنین میں حضرت ام سلمہؓ کا سب سے آخر میں انتقال ہوا تھا، حضرت میمونہؓ کے بعد تو نہ صرف حضرت ام سلمہؓ بلکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی زندہ تھیں، کیونکہ صحیح روایت کے مطابق حضرت میمونہؓ کا انتقال ۵۱ھ میں ہوا تھا، اور حضرت عائشہؓ کا ۵۸ھ اور ایک روایت کے مطابق ۵۷ھ میں اور حضرت ام سلمہؓ کا صحیح روایت کے مطابق ۶۲ھ یا باختلاف روایت ۶۱ھ یا ۵۹ھ میں ہوا۔

ملنے کا پتہ: مکتبۂ یحیویہ، مظاہر العلوم، سہارنپور۔

ادبیات

غزل

از

جناب مرزا احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڑھ

ساقیا پھر ہو ذرا گرمِ نوائے زندگی
منتشر کردے فضا میں شعلہ ہائے زندگی

ہو گئی کیا پھر اس کی آخر انتہائے زندگی
ہے شہادت عشق کی جب ابتدائے زندگی

عشق کی کیا شانِ غم، کیا ادعائے زندگی
آہ جب نکلی نہیں بن کر نوائے زندگی

لب پہ اک موجِ تبسم، دل میں اک طوفانِ غم
ہے یہ ہم اہلِ محبت کی ادائے زندگی

وہ انہی شوریدگانِ عشق کے دل سے اٹھی
اس فضا میں جب کبھی گونجی صدائے زندگی

جس کے شکووں سے کبھی لبریز تھی جانِ حزیں
اب اسی غم کی ہے لذت غم رُبائے زندگی

محفلِ زندانِ بلاکش ہے وہ خلوت گاہِ راز
ہے لبِ ساغر جہاں نکتہ سرائے زندگی

خاکِ پروانہ کو یوں چشمِ حقارت سے نہ دیکھ
یہ وہ ذرّے ہیں کہ ہر جن میں جلائے زندگی

یہ جو بیخود خاک پر کچھ رند ہیں بیٹھے ہوئے
کون ہے ان کے سوا فرماں روائے زندگی

گرچہ مشکل عشق کی ہے حوصلہ فرسا بہت
ہے یہی مشکل مگر مشکل کشائے زندگی

عشق کا آئینِ ہستی عقلِ خود بیں کو سکھا
پھر ذرا آباد کر ویراں سرائے زندگی

بجلیوں کا بھی ہو جس کے گرد رقصاں اک ہجوم
وہ نشیمن چاہیے ہم کو برائے زندگی

وہ جنونِ آرزو ہے، فلسفی جس کے بغیر
زندگی تیری نہ ہوگی آشنائے زندگی

اڑ کے چھا جا اس فضائے دہر پہ مرغِ چمن
چار تنکوں کی یہ کیا خلوت سرائے زندگی

درد کی لذت سے اور محرومیوں کے کیف سے
کر رہا ہوں اپنی مستحکم بنائے زندگی

دیکھتا ہوں پھر بھی اک احسان کا انداز خاص
گو امیرانہ نہیں اس کی ادائے زندگی

غزل

از

جناب زبیر احمد راہی صاحب قاسمی

اس چارہ گر کی ایک ادا کو ترس گئے
بیمارِ دردِ دل کی دوا کو ترس گئے

گلچیں یہ کیا غضب ہے؟ بہاروں کے باوجود
غنچے چمن میں "بادِ صبا" کو ترس گئے

اُن کے قدم قدم پہ ہے رقصاں بہارِ زیست
ہم زندگی کی آب و ہوا کو ترس گئے

"آلامِ زندگی" کا مداوا نہ ہو سکا
آزردۂ حیات قضا کو ترس گئے

ہم اٹھ گئے تو دہر سے یہ جنس اٹھ گئی
دنیا میں لوگ "نامِ وفا" کو ترس گئے

آسودگیٔ دل کا پتہ دور تک نہیں!
اس دَور میں خوشی کی ہوا کو ترس گئے

گم ہیں فریبِ رہبرِ منزل میں قافلے
راہی خلوصِ راہ نما کو ترس گئے

مطبوعات جدیدہ

صحائفِ معرفت ۔ مترجمہ ڈاکٹر تنویر احمد صاحب علوی تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر صفحات ۳۳۲ مجلد قیمت ۔/ پتہ: مدرسہ نور محمدیہ، قصبہ جھنجھانہ، ضلع مظفر نگر۔

شاہ عبدالرزاق علوی قادری جھنجھانوی دسویں صدی ہجری کے اہل اللہ اور سلسلۂ قادریہ کے صاحب حال وکمال بزرگوں میں تھے، زیرِ نظر کتاب ان کی فارسی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے فاضل مترجم نے شروع میں مصنف کے مفصل حالات وسوانح اور کمالات وکرامات بھی تحریر کیے ہیں، یہ کتاب اسلام کے ارکان اربعہ، جہاد، تلاوتِ قرآن اور بعض خاص اذکار واعمال کی فضیلت واہمیت اور ان کے اسرار اور بعض صوفیانہ احوال وریاضات پر مشتمل ہے، اس حیثیت سے اس کی نوعیت خالص فنی ہوگئی ہے، اور اس سے وہی لوگ پورا استفادہ کر سکتے ہیں، جو سلوک وتصوف میں پورا درک رکھتے ہوں اور صاحبِ وجد وحال بھی ہوں، قدیم کتابوں کی طرح یہ بھی ضعیف حکایات وروایات سے خالی نہیں ہے،

ہفت تماشا ۔ مترجمہ ڈاکٹر محمد عمر صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۲۴۴، قیمت ۔/ پتہ: مکتبۂ برہان، اردو بازار، دہلی ۶

مرزا محمد حسن قتیل جن کا قبولِ اسلام سے پہلے ... نام دیوانی سنگھ کھتری تھا، مرزا غالب کے ہمعصر صاحب کمال ادیب وشاعر تھے، انھوں نے اپنی مشہور تصنیف ہفت تماشا نواب سعادت علی

کے عہد میں مرزا محمد حسین لکھنوی کے حکم سے لکھی تھی، اور اس میں ہندوؤں کے احوال و رسوم اور تقویم اور مسلم ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرت تحریر کی ہے، اس کے تیسرے، چوتھے اور پانچویں تماشے میں ہندوؤں کے معتقدات، تہواروں اور رسموں کی تفصیل اور چھٹے میں ہندوستان کے مسلمانوں کے آئین ومعاشرت کا ذکر ہے، شروع میں انسان کی پیدائش اور اس کی فرقوں اور ملتوں میں تقسیم اور آخری تماشے میں یہاں کے بعض عجیب وغریب احوال درج ہیں،

ہندوستان کی فارسی تاریخیں عموماً حکمرانوں کے کارناموں اور حکومتوں کے حالات پر مشتمل ہیں، ان میں ہندوستان کی عوام کی روزمرہ زندگی کے واقعات، ان کی تہذیب ومعاشرت اور خوشی وغمی کے رسم ورواج وغیرہ کے حالات نہونے کے برابر ہیں، اس حیثیت سے یہ کتاب بڑی اہم ہے، لیکن قتیل کا اصل موضوع تاریخ کے بجائے ادب وانشا تھا اور ان کی اکثر تصنیفات اسی نوعیت کی ہیں، اس لیے بقول مالک رام صاحب "یہ اغلاط سے پاک نہیں"، تاہم اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی ہندوستانی معاشرت پر بڑی حد تک جامع اور اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، جس سے ہندوستانی تاریخ کے طلبہ بے نیاز نہیں رہ سکتے۔

اب فارسی کا رواج کم ہوگیا ہے، اس لیے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ تاریخ کے لائق استاذ ڈاکٹر محمد عمر نے اس کو اردو میں منتقل کیا ہے، اگر وہ اس پر حواشی بھی تحریر کر دیتے تو اس کا افادہ بڑھ جاتا، اور قتیل کے بعض غیر معتبر بیانات کی تردید بھی ہوجاتی، شروع میں نثار احمد فاروقی صاحب نے مصنف کے حالات وکمالات تحریر کیے ہیں لیکن اس میں کہیں کہیں غیر ضروری طوالت ہے، ص ۳۱ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب کا نام قرۃ العین ..... کے بجائے نور العین لکھا گیا ہے، ص ۱۱ کے حاشیہ میں ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ کے حوالہ سے ایک واقعہ اس کے ثبوت میں درج کیا گیا ہے کہ امام مالک نے متعہ کو جائز قرار دیا ہے، جو سراسر غلط ہے،

فقہی مسائل میں تاریخی کتابوں سے استناد تحقیقی شان کے خلاف ہے۔

غیر سودی بنک کاری۔ مرتبہ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی تقطیع خورد،
کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۲۶ مجلد قیمت للعہ پتہ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی
ہند، دہلی ۶۔

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی لکچرار اکنامکس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اسلامی اور جدید معاشیات
دونوں کے ماہر ہیں، ان کی تصنیف "شرکت اور مضاربت کے شرعی اصول" جس کا چند ماہ پہلے
معارف میں ذکر آچکا ہے، در اصل زیر نظر کتاب کی تمہید ہے، اس میں موجودہ بینکنگ سسٹم کو
جس کا پورا نظام سود پر مبنی ہے، اس کے بغیر شرکت و مضاربت کے شرعی اصولوں اور اسلامی بنیادوں
پر تشکیل دینے کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، یہ کتاب نو ابواب اور دو ضمیموں پر مشتمل ہے، ان ابواب میں
غیر سودی نظام بنک کاری اور اس سے متعلق جملہ ضروری مسائل پر بحث کی گئی ہے، اور اس کے
بنیادی خط و خال واضح کیے گئے ہیں، اور یہ دکھایا گیا ہے کہ غیر سودی بینکوں سے بھی وہ تمام فوائد
اور ناگزیر اعمال و وظائف انجام پا سکتے ہیں جو سودی بینکوں سے انجام پاتے ہیں یہ کتاب مصنف
کی محنت و عرق ریزی اور فن معاشیات میں ژرف نگاہی کا ثبوت ہے، انداز تحریر صاف اور
سلجھا ہوا ہے، معاشیات کے دقیق مباحث کو عام فہم اور آسان بنانے کی بھی پوری کوشش کی گئی ہے
لیکن یہ خالص فنی کتاب ہے جو اصطلاحات سے پر اور بقول مصنف مجمل بھی ہے، اس لیے معاشیات
کے طلبہ اور ماہرین ہی کے مطالعہ و استفادہ کے لائق ہے، مصنف نے اس پیچیدہ اور دور جدید
کے ایک اہم اور ضروری مسئلہ پر یہ ٹھوس کتاب لکھ کر وقت کی ایک بڑی ضرورت پوری کرنے
کی کوشش کی ہے، یہ کتاب عربی اور انگریزی میں بھی ترجمہ کیے جانے کے لائق ہے۔

دیوان شاکر ناجی۔ مرتبہ ڈاکٹر فضل الحق صاحب تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی،

صفحات ۳۴۴ قیمت مقرر، پتہ ادارہ صبح ادب، دہلی۔

محمد شاکر ناجی قدیم العہد اور ولی، آبرو اور مضمون وغیرہ کے اساتذہ میں ہیں، قدیم تذکروں
میں ان کا ذکر اور کلام کے نمونے ملتے ہیں، لیکن ابھی تک مکمل دیوان شائع نہیں ہوا تھا، ڈاکٹر فضل الحق
شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے ان کے دیوان کے دو مخطوطہ نسخوں کی مدد سے مقابلہ و تصحیح کے بعد اسکو
مرتب کر کے شائع کیا ہے، اس کا زیادہ ... حصہ غزلیات پر مشتمل ہے، آخر میں چند قصائد، مراثی اور
مخمسات ہیں، لائق مرتب نے شروع میں ناجی اور ان کے دونوں مخطوطہ دیوانوں کے متعلق معلومات
اور اس عہد کی شاعری پر اجمالاً اور ناجی کی شاعری پر قدرے تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے، اور
ناجی سے متعلق بعض نئے ادیبوں اور نقادوں کے بیانات کی تردید بھی کی ہے، ناجی گو اردو شعر و سخن
کے اساتذہ میں ہیں، لیکن اس عہد کے دوسرے شعراء کی طرح ان کے کلام میں بھی پست و بلند ہر قسم
کے اشعار ہیں، زبان بھی قدیم ہے، مرتب اگر الفاظ کا فرہنگ بھی دیدیتے تو زیادہ مفید ہوتا۔

حقیقت شکر و چاند کی تسخیر اور سائنس کی ترقیات } مرتبہ مولانا عبد الرحیم متالا سورتی و مولانا تقی الدین ندوی مظاہری، کتابت و طباعت اچھی، صفحات
بالترتیب ۱۰۴ و ۴۶ قیمت عہ/ و ۶۰ پیسے، پتہ مجلس معارف، ترکیسر، سورت، گجرات۔

اس کتابچہ میں شکر کی حقیقت و اہمیت اور اس کے برکات و فوائد اور مختلف اعضاء و جوارح
سے منعم حقیقی کی شکر گذاری کے طریقے اور ناشکری سے بچنے کی صورتیں بیان کی گئی ہیں، انداز بیان نہایت
مؤثر اور دلنشین ہے، دوسرے کتابچہ میں موجودہ چاند کی تسخیر اور سائنس کی حیرت انگیز ترقیوں کے
متعلق صحیح اسلامی نقطۂ نظر پیش کر کے یہ دکھایا گیا ہے کہ اگر ان کا مقصد و استعمال صحیح ہو تو اسلام
ان کا مخالف نہیں ہے، اس سلسلے میں مسلمانوں کی موجودہ مرعوبیت اور اسلامی عقائد و تعلیمات
کے بارہ میں شک و تردد کا ازالہ خصوصیت سے کیا گیا ہے، اور بعض آیتوں اور حدیثوں خصوصاً حدیث دجال

پر بحث کرکے انسان کی اس عظیم الشان اور حیرت انگیز قوت وصلاحیت اور قوانین فطرت کی تسخیر و تصرف کا ذکر کیا گیا ہے جس کے مقابلہ میں موجودہ سائنسی ترقیاں ابھی بہت پیچھے ہیں، دونوں رسالے مختصر ہونے کے باوجود پُر مغز اور مفید ہیں۔

مزاجِ آبِ و گل۔ مرتبہ جناب حسن شہیر صاحب، تقطیع خورد، کاغذ بہتر، کتابت وطباعت معمولی، صفحات ۲۴۴، قیمت للعہ مجلد مع گرد پوش، پتہ: گلستان آرٹ اکاڈمی، معرفت سید حبیب احمد مسولی، بارہ بنکی۔

یہ منظوم کتاب جناب حسن شہیر کی فکر کا نتیجہ ہے، جس کو ناشر نے اردو شاعری کا ایک حیرت انگیز کارنامہ اور عالمی ادب کی تمام رعنائیوں کی حامل اور اردو ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی شاعری وغیرہ بتایا ہے، اور خود مصنف کا بیان ہے کہ "اس کتاب کے اوراق انسان کی محبت کی آگ میں جل رہے ہیں...... حق، انصاف اور مساوات کو پیدا کرنے کے لیے اس کتاب کے اوراق پیدا ہوئے ہیں"۔ انھوں نے بورژوا طبقہ اور اردو ہندی شاعری کے تمام اصناف خصوصاً غزل کو ہدف طعن و ملامت بنایا ہے، اس کا نمونہ یہ ہے:

تاریخ ابھی تک راز ہے
تخلیق کے پاؤں کی آواز نہیں آتی
کانوں میں
گمنام اندھیرا چھایا ہوا ہے

ایک نظم بورژوا انسان اور اس کا فلسفہ آرٹ کے زیر عنوان:

تاج محل ہے بیمار انسان کی رعونت ٹپکتی ہے
ظالم انسان کی محبت کی داستان یہ ہے

یہ نظم مشہور ترقی پسند شاعر ساحر لدھیانوی کی تاج محل پر مشہور نظم کا چربہ ہے، باقی شاعری کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے، تبصرہ نگار ان کی خوبیوں کے ادراک سے قاصر ہے۔

"ض"

جلد ۱۰۷۔ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۷۱ء۔ عدد ۲

مضامین

مقالات

تلخیصات

ادبیات